Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كِفَايَةُ الحَاجَة
لِحَلِّ مشكلاتِ ابُنِ مَاجَة

جس میں ابن ماجہ شریف کے مشکلات
اور طہارت کے اہم مسائل کا مدلل و محقق حل ہے

تقریظ

شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا مفتی اسعد قاسم صاحب سنبھلی
مصنف ضیاء السنن و ناظم جامعہ شاہ ولی اللہ مرادآباد

مرتب:
فاقت حسین امروھوی
خادم تدریس المعہد الاسلامی نور پور بجنور

مکتبۂ صداقت
قصبہ ڈھکہ تحصیل حسن پور ضلع امروہہ

MADARSE WALE

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کِفَایۃُ الحَاجہ لِحَلِّ مشکلاتِ ابنِ مَاجَہ

مرتب:

رفاقت حسین امروھوی

خادم تدریس المعہد الاسلامی نور پور بجنور

Website:NewMadarsa.blogspot.com

ٹائپنگ: محمد مبارک دیوبند

9812377864

Pinterest

Follow All Social Media Network:

NEW MADARSA

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें

تفصیلات

نام کتاب: كِفَايَةُ الحَاجه لحلِّ مشكلاتِ ابنِ مَاجه

مرتب: رفاقت حسین امروھوی

اشاعت اول: ۲۵/ جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ

تعداد: 1000

ٹائپنگ: مبارک گرافکس دیوبند

صفحات: ۱۵۲

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

NEW MADARSA

اجمالی فہرست

صفحات	عنوانات	نمبر شمار
۶	تقریظ	۱
۷	ارشاد عالی و دعائیہ کلمات	۲
۸	رائے گرامی	۳
۹	عرض مرتب	۴
۱۱	طائفہ منصورہ کی علامت	۵
۱۳	بیضاء کی تحقیق	۶
۱۷	ربا کے لغوی معنی	۷
۱۹	فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا کی مراد	۸
۲۰	قیاس، خلفاء راشدین کی سنت اور صحابہ کے اقوال، احداث فی امرنا میں داخل نہیں	۹
۲۲	کیا حدیثوں کو بالمعنی روایت کرنا جائز ہے؟	۱۰
۲۵	حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں جو روایات کو کم بیان کرنے کی ہدایت دی تھی اس کی وجوہ	۱۱
۲۵	منکرین حدیث اور کتمان علم کا جواب	۱۲
۲۸	کیا غلام امیر المؤمنین بن سکتا ہے؟	۱۳
۲۹	جدل کی تعریف	۱۴
۳۰	آیت سے مدعاء ثابت کیجیے	۱۵

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

۱۶	متشابہ کی تعریف:	۳۲
۱۷	اجتہادی مسائل کونسی قسم میں داخل ہیں	۳۵
۱۸	دیگر علوم کا کیا حکم ہے؟	۳۵
۱۹	قبول سے قبول اصابت مراد ہے یا قبول اجابت؟	۳۶
۲۰	مرجیہ کے عقائد	۳۸
۲۱	ایمان بسیط ہے یا مرکب؟	۴۰
۲۲	ایک علمی بحث	۴۱
۲۳	جمہور محدثین، معتزلہ اور خوارج کے مابین فرق	۴۱
۲۴	جمہور فقہاء اور محدثین کے مابین اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں	۴۲
۲۵	حدیث کا مقصد کیا ہے؟	۴۵
۲۶	”لَوْ“ کا استعمال	۴۶
۲۷	مصنفؒ نے یہ حدیث کس باب کے تحت ذکر کی ہے؟	۵۰
۲۸	قمیص سے کیا مراد ہے	۵۳
۲۹	کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ علی الاطلاق سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں؟	۵۵
۳۰	کیا اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ممکن ہے	۵۸
۳۱	مولی کی مراد متعین کریں	۶۰
۳۲	روایت میں ذکر کردہ تینوں فضائل کی تفصیل لکھیے	۶۰
۳۳	خوارج کا مقصداق کون لوگ ہیں؟	۶۳

۳۴	فی آخر الزمان کا کیا مطلب ہے؟	۶۴
۳۵	ما حَجَبَنِي رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلَّم کی وضاحت	۶۶
۳۶	ہادی اور مہدی میں کیا فرق ہے؟	۶۷
۳۷	رویت باری کی وضاحت	۶۹
۳۸	زیر بحث مسئلہ میں اہل حق اور معتزلہ کا اختلاف مع دلائل	۷۰
۳۹	معتزلہ کے دلائل:	۷۱
۴۰	روایت میں اللہ کے لیے ضحک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے	۷۲
۴۱	صفات باری کے بارے میں جہمیہ کا مسلک	۷۳
۴۲	اس روایت سے جہمیہ کی تردید کیسے ہوئی؟	۷۳
۴۳	جہمیہ کے عقائد تفصیل سے تحریر کریں	۷۵
۴۴	حدیث میں کن دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے؟	۷۷
۴۵	منافق کی اقسام:	۸۰
۴۶	حدیث میں مذکور منافق سے کونسا منافق مراد ہے	۸۰
۴۷	اس روایت سے کیسے جہمیہ کی تردید ہوئی؟	۸۱
۴۸	”ید“ اور ”اصبع“ کی تشریح	۸۲
۴۹	اس حدیث سے جہمیہ کا رد کیسے ہوتا ہے؟	۸۴

☆ ☆ ☆

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

تقریظ

شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا مفتی اسعد قاسم صاحب سنبھلی دامت برکاتہم
خلیفۂ اجل حضرت اقدس حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم
وناظم جامعہ شاہ ولی اللہ مراد آباد

حامدا و مصلیا أما بعد:

سنن ابن ماجہ شروع ہی سے راقم کی توجہ کا مرکز رہی اور اس نے زمانۂ طالب علمی میں مصباح الزجاجہ کے نام سے اس کا ایک جامع نوٹ لکھا تھا جو طلبہ میں بڑا مقبول ہوا اور اس کے بہت سے ایڈیشن نکلے اس کے بعد ضیاء السنن لکھی جو ٦ سو سے زائد صفحات پر مقدمہ کی ایک مبسوط شرح ہے اور درسی حلقوں میں سب سے زائد متداول ہے اسی تعلق کے پیش نظر عزیزم مفتی محمد رفاقت امروہوی نے کفایۃ الحاجۃ لحل مشکلات ابن ماجہ نامی رسالہ پیش کیا موصوف نے دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہمارے جامعہ شاہ ولی اللہ مراد آباد میں عربی ادب اور افتاء کی تکمیل کی ہے اس لئے ان کی حوصلہ افزائی کے پیش نظر راقم یہ سطور قلم بند کر رہا ہے زیر نظر رسالہ میں سنن ابن ماجہ کے ساتھ نسائی شریف کے بھی مشکل مقامات کو حل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور ۱۵ سالوں کے سوالات کا مستند حوالوں کی روشنی میں جواب دیا ہے انہوں نے اعراب و معانی کی وضاحت مشکل الفاظ کی تحقیق، ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیل اور اپنے مسلک کی ترجیح کے دلائل کی وجوہات کو بھی اجاگر کیا ہے راقم نے رسالہ کو پڑھ کر محسوس کیا کہ کتاب اپنے مقصد میں بہت کامیاب اور وقیع ثابت ہوگی دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول عام عطا فرما کر مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور مزید علمی خدمات کی توفیق دے۔

والسلام

اسعد قاسم سنبھلی ۲۳/ جمادی الاخری ۱۴۴۱ھ

Website:NewMadarsa.blogspot.com

ارشاد عالی ودعائیہ کلمات

صوفی وقت ولی کامل مرد مجاہد حضرت مولانا مفتی وہاج الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم خلیفۂ اجل مولانا مفتی عبد الرحمن صاحب دامت برکاتہم و مہتمم المعہد الاسلامی نور پور بجنور۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیر نظر کتاب ''كفاية الحاجة لحل مشكلات سنن ابن ماجة:: حدیث کی عظیم کتاب ابن ماجہ شریف کی وہ احادیث شریفہ جن کو دارالعلوم، مظاہرالعلوم اور دیگر جامعات کے ممتحنین حضرات طلبہ کے جائزے اور امتحانات کے لئے منتخب فرماتے ہیں ان کے جزئیات کی تسہیل وتفہیم پر عزیزم مفتی رفاقت حسین سلمہ رفیق المعہد الاسلامی نور پور بجنور نے جو کام کیا ہے وہ امتحانات کی کامیابی کے خواہشمند طلبہ اور تشنگان علوم حدیث کے لیے بہترین گائڈ اور کامیاب معاون کی حیثیت رکھتا ہے۔ حل سوالات میں تطویل سے گریز اختصار اور جامعیت کو پسند کیا ہے۔

احقر نے مختلف مقامات سے بغور مطالعہ کیا الحمد للہ عزیزم ادق واغلق عبارتوں کی تسہیل وتفہیم اور مروجہ اسلوب میں منتقل کرنے کی اتم درجہ کی صلاحیت کے مالک ہیں۔ دعاء گو ہوں حق سبحانہ وتعالیٰ عزیزم کی اس کاوش کو معلمین اور متعلمین کے لئے نافع بنائے۔ اور عزیزم کو تالیف وتصنیف میں مزید شوق وذوق عطا فرما کر کامیابی کی راہ پر گامزن فرمائے۔ آمین

حقیر وہاج الدین قاسمی

خادم المعہد الاسلامی نور پور بجنور

رائے گرامی

عم محترم حضرت مولانا فصاحت حسین صاحب قاسمی دامت برکاتہم السامیہ
استاذ اصول فقہ و ادب جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد۔

حامداو مصلیا امابعد!

موجودہ زمانہ میں کتب درسیہ کی عربی، اردو شروحات کی بہتات کے ساتھ مشکل مقامات کی تشریحات خلاصے اور امتحانی سوالات کے حل کا رواج بھی ہو گیا ہے، جنہوں نے سہولت پسند طلبہ کو طویل اور گراں شرحوں کی ورق گردانی سے بے نیاز کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ امتحان میں عمومی طور پر طلبہ کے ہاتھوں میں اس طرح کے مختصر نوٹس (NOTES) نظر آتے ہیں، ان کے مطالعہ سے مستفیدین کو ایک طرح کا اطمنان ہو جاتا ہے کہ امتحان کی تیاری کر لی ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ''محترم جناب مولانا محمد رفاقت'' قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند زید علمہ، کی کاوش : '' کفاية الحاجه لحل مشكلات ابن ماجه'' ہے جس میں موصوف نے سنن ابن ماجہ کی منتخب احادیث کی تشریح امتحانی سوالات کو سامنے رکھ کر کی ہے جس میں ممکنہ جزئیات حل کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، نیز آخر میں طہارت کے اہم اور مختلف فیہ مسائل کو مع اختلاف ائمہ مدلل اور باحوالہ شامل کتاب کیا ہے جو کتاب الطہارت کی احادیث کو سمجھنے میں طلبہ کے لئے مفید ثابت ہونگے۔ انشاءاللہ

دعاء ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور مزید علمی خدمات انجام دینے کا حوصلہ بخشے۔

فصاحت حسین قاسمی خادم تدریس مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۹/۵/۱۴۱۱ھ بروز چہارشنبہ

عرض مرتب

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام کے اندر تنگی سے احتراز کر کے حتی الامکان آسانی کا لحاظ کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ زمانے اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ متقدمین اور متأخرین نے اپنے اپنے زمانے کے اقتضاء کے موافق اسلام اور اسلامیات کو دنیا کے سامنے آسان سے آسان صورت میں پیش کیا ہے، اس کی بہت سی نظیریں ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی منتشر آیات کو جمع کرنے کا حکم فرمایا، مزید برآں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے موجودہ خاص ترتیب کے ساتھ قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کے بعد مزید آسانی کے لیے سورتیں، رکوع اور اجزاء کی تعیین کی گئی اسی طرح احادیث نبویہ کے ساتھ بھی سہولت کا معاملہ رونما ہوتا گیا، کہ ابتداء میں ابوبکر بن حزمؒ اور ابن شہاب زہریؒ نے منتشر احادیث کو جمع کیا، پھر دوسری صدی کے نصف میں ربیع بن صبیح اور سعید ابی عروبہؒ وغیرہ نے اس میں مزید تسہیل کا اضافہ کیا کہ ہر باب کو علیحدہ ذکر کر کے کتب احادیث تصنیف فرمائیں، چونکہ ان کتابوں میں صحت وسقم کا امتیاز ایک دشوار امر تھا، اس لیے امام بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ نے احادیث صحیحہ کو جمع کرنے کا اہتمام فرمایا: بہر کیف! ہر زمانے کے علماء نے بمقتضائے زمانہ دین کو سہل انداز میں پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ ’’کفایة الحاجة لحل مشکلات سنن ابن ماجة‘‘ اسی سلسلة الذهب کی ایک کڑی ہے، جو کہ ابن ماجہ اور نسائی شریف کے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوالات کا بہترین حل ہے، جس میں بندے نے بڑی عرق ریزی وجانفشانی کے ساتھ مطولات کو مختصر صعب الحصول اور منتشر مضامین کو مدلل ومحقق طریقہ پر جمع کیا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ سنہ ۱۴۴۰ھ میں نسائی شریف کا نصاب بدل گیا، اس لیے بندے نے نسائی سے متعلق حل کو ایک ایسی صورت میں ڈھال دیا، جو طلبہ کو ہر کتاب کے باب الطھارۃ میں کام آئے، گویا اب یہ (نسائی سے متعلق حل) کتاب الطھارۃ کے ان سوالات کا بہترین حل بن گیا جو اکثر وبیشتر امتحان میں آتے ہیں۔

تاہم مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے اس لیے اعراب، ترجمہ وغیرہ میں اگر کوئی غلطی نظر آئے تو برائے کرم مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اس موقع پر بندہ ان تمام دوست واحباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جو اس کتاب کے منظر عام پر آنے میں کسی نہ کسی حیثیت سے شریک رہے خصوصا مفتی محمد انتخاب ومفتی محمد سلمان ومفتی عبد القادر اور تمام رفقاء افتاء کا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور بندے کے والدین محترمین، تمام اساتذۂ کرام، نیز جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے مؤلفین اور احقر کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

رفاقت حسین
قصبہ ڈھکہ تحصیل حسن پور ضلع امروہہ یوپی

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:۲

سوال (۱) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلى اللهُ عليه وسلَّمَ : لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُورِيْنَ لا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔ اسنادہ صحیح

حضرت معاویہ بن قرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ نصرت الٰہی سے مُؤیَّد رہے گی جوان کو ذلیل سمجھتے ہیں وہ قیامت تک انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے۔

طائفہ منصورہ کی علامت: ابن ماجہ کے مصنفؒ نے پانچ روایات میں اس کی علامات ذکر کی ہیں جن میں سے تین یہ ہیں۔

(۱) لاتَزالُ طائفةٌ مِنْ أُمَّتِيْ قَوَّامةً على أمرِ اللهِ لايضرُّها مَنْ خالَفَها یعنی میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ دین کی نگراں رہے گی اور مخالفت کرنے والے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے

(۲) لايزالُ اللهُ يَغرِسُ في هذا الدِّينِ غرسًا يَسْتَعْمِلُهُمْ في طَاعَتِهِ۔
اللہ تعالیٰ اس دین کے اندر مسلسل ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہیگا جن کو وہ اپنی اطاعت میں استعمال کریگا۔

(۳) لا تقوم السَّاعةُ إلا و طائفة من أمتي ظاهرون على الناسِ، لا يُبالون من خَذَلَهُمْ وَلا مَنْ نَصَرَهُمْ۔ قیامت نہیں آئیگی مگر میری امت میں ایک جماعت اس وقت بھی لوگوں پر غالب رہے گی نہ وہ اسکی پرواہ کریگی جوان سے علیحدہ رہے گا اور نہ اس

کی جوان کی مدد کریگا۔ (ابن ماجہ:۲)

طائفہ منصورہ کا مصداق کون ہیں؟

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: اس کا مصداق اہل علم ہیں۔

علامہ انورشاہ کشمیریؒ: مجاہدین مراد ہیں۔

عبداللہ ابن مبارکؒ: هُمْ عِنْدِیْ أصحابُ أهلِ الحديثِ

امام نوویؒ: قُلْتُ عِنْدِيْ اَنْ تكُوْنَ هذه الطائفةُ متفرِقَةً بين أنواعِ المؤمنينَ مِنْهُمْ شُجْعَانٌ مُقَاتِلونَ، ومنهم فقهاءٌ، ومنهم مُحدِّثونَ ومنهم زُهَّادٌ واٰمِرُوْنَ بالمَعْرُوْفِ والنَاهُوْنَ عن المنكر ومنهم اَهلُ اَنواعٍ أُخْرىٰ من الخيرِ۔

(شرح سنن ابن ماجہ ص:۲۲)

رفع اشکال:

اس حدیث (طائفہ منصورہ والی) کا ایک دوسری حدیث ((لاتقومُ الساعةُ حتی یقالَ في الأرضِ اللہ اللہ)) سے تعارض ہے آپ اس کو رفع کیجیے۔

لاتقوم الساعةُ حتی یقالَ في الأرضِ اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا وقوع کفار ومشرکین پر ہوگا اور طائفہ منصورہ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ قیامت تک رہیگا یعنی قیامت کا وقوع ان پر بھی ہوگا۔

جواب: لاتقوم السَاعةُ سے مراد وہ ہوا ہے جو قیامت سے پہلے چل کر اہل ایمان کی روحیں قبض کرلے گی اور دنیا میں ایک مسلمان بھی باقی نہیں رہے گا اسکے بعد کفار ومشرکین پر قیامت قائم ہوگی۔ واللہ اعلم

إن هذه الطائفةَ تبقٰی إلی عینِ مَجیئِ الرِیحُ الَتي تَقْبِضُ رُوْحَ كُلِ مؤمنٍ، ثم يَبْقٰی شِرَارُ الخَلقِ عَلَيْهِم تقوم الساعةُ۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص:۲)

حدیث شریف کا باب اتباع سنۃ رسول اللہ سے ربط

اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کر کے اس طرف اشارہ ہے کہ ''طائفہ منصورہ'' سے مراد متبعین سنت ہیں خواہ وہ کوئی بھی جماعت ہو، یعنی ان حضرات کی یہ تمام خصوصیات سنت پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ہیں۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

سنن ابن ماجہ: ۲

سوال (۲) عَنْ أبِی الدَّرْدَاء قَالَ: خَرَجَ عَلَیْنَا رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلَّمَ وَنَحْنُ نَذْکُرُ الفَقْرَ وَنَتَخَوَّفُہ، فَقَالَ اَلْفَقْرَ تَخَافُوْنَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتُصَبَّنَّ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا صَبًّا حَتّٰی لَایُزِیْغَ قَلْبَ أَحَدِکُمْ إِزَاغَۃً إِلَّاھِیَہْ، وَأَیْمُ اللّٰہِ لَقَدْ تَرَکْتُکُمْ عَلٰی مِثْلِ البَیْضَاءِ لَیْلُھَا وَنَھَارُھَا سَوَاءٌ۔ اسنادہ حسن

حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم لوگ تنگ دستی کا تذکرہ کر رہے تھے اور فقر و فاقہ سے خوف کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا تم فقر و فاقہ سے ڈر رہے ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم پر دنیا کی ایسی ریل پیل ہوگی کہ دنیا کے علاوہ کوئی چیز تمہارے قلوب کو مائل نہ کر سکے گی، خدا کی قسم میں نے تم کو ایک روشن (دینی) ماحول میں چھوڑا ہے کہ جس کے شب و روز یکساں ہیں۔

بیضاء کی تحقیق

علامہ سندھی علیہ الرحمہ نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں کہ اس سے صحابہ کے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دلوں کا حال مراد ہے یعنی وہ اس زمین کے مانند ہیں جو دن رات میں یکساں چمکتی ہے اور اسے کوئی چیز میلا نہیں کرتی ''إن ھذا بیان لِحالِ القُلوْبِ لا لِحَالۃِ المِلَّۃِ''

(شرح سنن ابن ماجہ ص:۱۶)

(۲) مثل البیضاء میں اگر مثل کو زائد مانے تو بیضاء سے اس وقت ایسے قلوب مراد ہونگے جنہیں دھو کر اس طرح صاف کر دیا گیا ہو کہ اب نرم و گرم دونوں حالات میں وہ اللہ تعالی سے نہیں پھر سکتے، سندھیؒ کی دونوں توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کے دل پاک وصاف ہیں؛ جبکہ حضرت کشمیریؒ نے بیضاء کو ملت کی صفت قرار دیا ہے یعنی ''مِلَّۃٌ ظَاھرۃٌ صافیۃٌ خالصۃٌ عنِ الشرکِ والشُّبھَۃِ'' وہ شرک وشبہات سے پاک وصاف ایسی شریعت ہے جو انسان پر اس کی وسعت کے بقدر بوجھ ڈالتی ہے۔

(ضیاء السنن ص:۵۴)

لَیلُھَا وَنَھَارُھَا۔ دونوں میں ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

اگر ''مثل'' کو زائد مانا جائے تب ''ھا'' ضمیر کا مرجع ''ھذا الدین'' ہوگا اور زائد نہ ماننے کی صورت میں ''ارض بیضاء'' ہوگا۔

لَیلُھَا وَنَھَارُھَا سَوَاءٌ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

''مثل'' کو زائد ماننے کی صورت میں موصوف صفت کی ترکیب ہوگی، اور عبارت اس طرح ہوگی ''لَیلُ ھٰذَا الدِّیْنِ وَنَھَارُ ھٰذَا الدِّیْنِ سَوَاءٌ'' اور زائد نہ ہونے کی صورت میں یہ جملہ حال ہوگا اور عبارت اس طرح ہوگی ''مِثْلُ أَرْضِ البیضاءِ التی تکون لَیلُھَا وَنَھَارُھَا سَوَاءٌ''

وضاحت: ایک مرتبہ صحابہ کرام فقر وفاقہ کے متعلق آپس میں تذکرہ کررہے تھے کہ فقر وتنگ دستی انسان کو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقر

وفاقہ سے پناہ مانگتے ہیں، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مجلس میں آگئے اور فرمایا کیا تم لوگ فقر وفاقہ سے ڈر رہے ہو، اس سے ڈرنے کے بجائے دولت کی ریل پیل سے ڈرنا چاہئے کیونکہ کثرت مال فقر وفاقہ سے زیادہ مضر ہے حدیث میں إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمتي المالُ (۱) نیز دولت کے نشہ میں بسا وقات انسان خدا کو بھول جاتا ہے، دوسروں پر ظلم وزیادتی اور تکبر کرنے لگتا ہے اسی لیے تمہیں فقر وفاقہ سے خوف کرنے کے بجائے کثرتِ مال سے ڈرنا چاہیے۔

دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمانا چاہتے ہو کہ آج تم فقر سے خوف کرر ہے ہو مگر بہت جلد روم وفارس اور ایران کی سلطنت تمہارے قدموں میں ہوگی، اس وقت تمہاری آزمائش کی گھڑی ہوگی، ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح کثرت مال اچھی چیز نہیں اسی طرح کثرت فقر بھی اچھی چیز نہیں، لہٰذا تم کو دونوں ہی کی کثرت سے ڈرنا چاہئے اور تم صرف ایک کی کثرت سے ڈرر ہے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دوسری چیز کی کثرت کی جانب توجہ دلائی جو اول سے زیادہ مضر ہے۔

وأيمُ اللهِ لقَدْ ترَكْتكُمْ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی روشن تعلیمات سے مال کی کثرت اور فقر وفاقہ، دونوں کے فوائد ونقصانات سے متعلق تمام احکامات کی وضاحت کردی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے روشن تعلیمات پاکیزہ احکام اور ایسا نمونہ چھوڑا جو زہد وقناعت، فقر وفاقہ اور دولت وثروت پر مشتمل ہے اس میں ہر فرد بشر امیر وغریب کے لیے ایک عظیم عملی نمونہ ہے جو شخص جس حالت میں بھی ہو وہ اپنے مسائل سیرت نبوی اور عہد رسالت سے اخذ کرسکتا ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۲۲)

---

(۱) (ترمذی جلد ۲ ص: ۵۷)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

هِيَہ کی تحقیق:

اس کے دو معنی ہیں (۱) کسی چیز سے نفرت کی بناء پر اسے دور کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، (۲) مزید بات کی فرمائش کے لیے یعنی کسی چیز کے مل جانے کے بعد مزید طلب کرنا مگر یہاں دوسرا مفہوم مراد ہے کہ دولت یا دنیا کی حرص ہی تمہارے قلوب کو مائل کر سکے گی

حدیث کا باب اتباع السنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ربط ہے؟

ربط: ظاہر ہے کہ نبی کی سنت امیری نہیں فقیری ہے اس لیے کہ سنت کی اتباع زہد کی عظمت میں مضمر ہے اور مال و دولت کی کثرت اکثر و بیشتر زہر ہلاہل ثابت ہوتی ہے۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ: ۳

سوال (۳) عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ قَبِيصَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ الأَنصارِيَّ، النَّقِيبَ صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غَزَا مَعَ مُعَاوِيَةَ أَرْضَ الرُّومِ فَنَظَرَ إِلَى النَّاسِ وَهُمْ يَتَبَايَعُونَ كِسَرَ الذَّهَبِ بِالدَّنَانِيرِ وَ كِسَرَ الْفِضَّةِ بِالدَّرَاهِمِ، فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ تَأْكُلُونَ الرِّبٰوا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ لاَ تَبْتَاعُوْا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ لاَ زِيَادَةَ بَيْنَهُمَا وَلاَ نَظِرَةَ۔ اسنادہ ضعیف

قبیصہ روایت کرتے ہیں کہ عبادہ ابن صامت انصاری رضی اللہ عنہ نے جو قوم کے سربراہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روم میں جہاد کیا، وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ دینار سے سونے کے ٹکڑوں کو اور درہم سے

چاندی کے ٹکڑے خرید رہے ہیں انہوں نے کہا: لوگو!! تم سود کھا رہے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سونے کو سونے کے عوض مت بیچو، مگر برابر سرابر، کہ ان میں نہ کوئی کمی زیادتی ہو اور نہ ادھار۔

ربا کے لغوی معنی:

الربوا في اللغةِ: مطلقُ الزِيَادةِ و الفضلِ (الفقہ الحنفی ۴/۲۲۷)

ربا کے اصطلاحی معنی:

هو الفضلُ الخالي عن العِوَضِ المَشْرُوطِ فی البیعِ، بیع کے اندر عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے ایسی زیادتی جو عوض سے خالی ہو۔

ربا کی علت: العِلَّةُ عِنْدَنَا (أحناف) ما ذَكَرْنَا مِنَ القَدْرِ و الجنسِ، قدر اور جنس علت ہے عند الاحناف۔

امام شافعیؒ کے نزدیک: طعم اور ثمن ہے، الطُعْمُ في المَطْعُوْمَاتِ و الثَمنيَةُ في الأَثْمانِ (ہدایہ ۳/۸۱)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ربا کا حکم:

ربا نص قطعی سے حرام ہے: الرِبوا محرَمٌ فيال إسلام أشد التحريمِ و أغلظَهُ، وهو محرمٌ في القرآنِ الكريمِ و السنةِ المطهرةِ و الإجماعِ (الفقہ الحنفی ۴/۲۲۷)

شرح الحدیث: اسلام کی شوکت وعظمت اور نفاذ شریعت کی تیئں صحابہ کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں روم کے اندر جہاد کیا، اسمیں حضرت عبادہ ابن سامت رضی اللہ عنہ بھی تھے، مجاہدین نے جم کر جہاد کیا اور فتح پائی جسکے نتیجہ میں بہت سامالِ غنیمت حاصل ہوا جسمیں بہت سا سونا اور چاندی تھی، لوگوں نے خلاف شرع خرید

وفروخت شروع کی، یعنی دینار سے سونے کے ٹکڑے کو اور درہم سے چاندی کے ٹکڑوں کو، اور یہ از روئے شرع ربا ہے کیونکہ ان کی بیع میں مساوات ضروری ہے اور مساوات بغیر وزن کے ممکن نہیں، جب مساوات ہی فوت ہے تو ربا لازم آئیگا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہا: اے لوگو! تم سود کھا رہے ہو میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سونے کو سونے کے عوض مت بیچو، جب تک دونوں برابر اور نقد نہ ہوں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں تو اس کو سود نہیں سمجھتا، جب تک سود ادھار نہ ہو، حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں تمہیں حدیث رسول سنا رہا ہوں اور تم مجھ سے اپنی رائے بیان کر رہے ہو اسکے بعد عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ مدینہ لوٹ آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا تم یہاں کیسے؟ انہوں نے پورہ واقعہ سنایا؛ لیکن اپنے قیام سے متعلق کچھ نہیں کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنی جگہ لوٹ جاؤ، باری تعالیٰ اس جگہ کو خیر سے محروم کردیگا جہاں تم جیسے لوگ موجود نہ ہوں؛ حضرت عمرؓ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ تمہاری امارت عبادۃ رضی اللہ عنہ پر نہیں ہے، اور انہیں کی رائے پر عمل کرو، کیونکہ مسئلہ وہی ہے جو عبادۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

حدیث کا باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ سے کیا ربط ہے؟

حدیث اور باب کے اندر گہرا ربط ہے کیونکہ جب حضرت عبادۃ بن صامتؓ نے حدیث سنائی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی رائے پیش کی حالانکہ تعظیم حدیث اس بات کی متقاضی تھی کہ حدیث جب سامنے آگئی تو بلا تردد اس پر یقین کر لیتے مگر ایسا نہیں کیا جس پر حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا "أُحَدِّثُکَ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَتُحَدِّثُنِی عَنْ رَأْیِکَ" اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

ابن ماجہ: ۳

سوال (۴) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلَّمَ قَالَ مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ اسنادہ صحیح

فرمایا جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔

فِيْ أَمْرِنَا هَذَا کی مراد واضح کریں۔

"أَمْرٌ" اگر "أُمُوْر" کا واحد ہے، تو اسکے معنی ہیں معاملہ اور اگر "أَوَامِرُ" کا واحد ہے تو اس سے حکم مراد ہوگا اور دونوں صورتوں میں "دِیْن" مراد ہے، والمرادُ علی الوَجْهَيْنِ الدِّيْنُ القَيِّمُ؛ ابن رجب حنبلیؒ نے "امر" کی شرح ان الفاظ میں کی ہے "دیننا وشرعنا الذی ارتضاہ اللہ لها" حدیث باب کے دوسرے طرق میں بھی "امرنا" کے بجائے "دیننا" کی تعبیر منقول ہے، اس لیے قاضی عیاضؒ، ابن حجرؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے خلاصہ یہ ہے امر سے دین وشریعت مراد ہے

(ضیاء السنن ص ۷۸)

في أَمْرِنَا هَذَا میں احداث کی صورت کو بذریعہ مثال واضح کریں

پہلے آپ احداث کو جانئے، احداث کہتے ہیں ان چیزوں کو جن کی کوئی بنیاد نصوص، خلفاء راشدین کی سنت، تعامل صحابہ وتابعین اور صحیح اجتہاد میں موجود نہ ہو: مثلاً قبر پر آذان دینا، عید میلاد النبی منانا، شب برأت کا حلوہ اور مروجہ میلاد وقیام، یہ سب احداث میں داخل ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

قیاس، خلفاء راشدین کی سنت اور صحابہ کے اقوال، احداث فی امرنا میں داخل نہیں ہیں ہر ایک دلیل یہ ہے

قیاس کی دلیل: عن أُناسٍ مِنْ أَهْلِ حمص مِنْ أَصْحابِ معاذ بن جبل: إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم لما أَرادَ أَن يبعثَ معاذاً إلى اليمنِ قال: كيفَ تَقضِى إِذا عُرِضَ لکَ قضاءٌ؟ قال: أَقضِى بكتابِ اللهِ قال فإن لم تَجِدْ في كتاب الله قال فبِسُنَّةِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم قال فَإِنْ لم تجِدْ في سُنَّةِ رسولِ الله صلى الله عليه وسَلَّمَ، قال اجْتهِدُ برائي ولا آلُوْ فضرب رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم صدْرَه فقال الحمدُ لله الَّذي وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ الله صلَّى الله عليه وسلم لِمَا يرضي رسولَ اللهِ (ابوداؤد شریف ص:۵۰۵)

خلفاء راشدین کی دلیل: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوْا عليها بالنَّوَاجِذِ. (ابن ماجه ص ۵)

اقوال صحابہ کی دلیل: أصحابي كَالنُّجُوْمِ فبِأَيِّهِمِ اقْتَدَيْتُمْ اهتديتم: یہ حدیث سنداً ضعیف ہے لیکن معنیً درست ہے۔ (کتاب النوازل: ۲/۳۰۵)

تم الجواب بعون الله تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ: ۴

سوال (۵) عَنْ عَمْرِو بنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ: مَا أَخْطَأَنِى ابنُ مَسْعُوْدٍ عَشِيَّةَ خَمِيْسٍ إِلَّا أَتَيْتُهُ فِيْهِ، قَالَ فَمَا سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ بِشَيْئٍ قطُ قَالَ رَسولُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ عَشِيَّةٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم قَالَ فَنكَسَ۔ قَالَ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَهُوَ قَائِمٌ مُحَلَّلَةً أَزْرَارُ قَمِيْصِهٖ قَدِ اغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ وانْتَفَخَتْ أَوْدَاجُهُ، قَالَ: أَوْدُوْنَ ذٰلِكَ أَوْ فَوْقَ ذٰلِكَ أَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ أَوْ شَبِيْهًا بِذٰلِكَ۔ اسنادہ صحیح

عمرو بن میمون فرماتے رضی اللہ عنہ ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھے کسی بھی جمعرات کی شام کو غائب نہیں پایا، مگر میں ان کے پاس پہنچ گیا، کہتے ہیں میں نے کسی بات کے ضمن میں انہیں قال رسول ﷺ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا، ایک شام انہوں نے کہا قال رسول اللہ ﷺ؛ راوی کہتے کہ ابن مسعودؓ نے پھر سر جھکا لیا میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں ان کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے ہیں، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی ہیں گردن کی رگیں پھول گئی ہیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کم یا کچھ زیادہ یا اس کے قریب یا اس سے ملتی جلتی کوئی بات بیان فرمائی۔

شرح الحدیث: حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے کبھی غیر حاضری نہیں کرتے اور ان سے مسائل معلوم کرتے عمرو بن میمونؒ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے میں نے کبھی قال رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نہیں سنے، لیکن ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت کی زبان سے قال رسول اللہ ﷺ نکل گیا تو ان پر خوف و ہراس کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے ہیں آنکھیں اشکبار ہیں گردن کی رگیں پھولی ہوئی ہیں اور اسی حالت میں فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سے کم بیان کیا یا اس سے زائد یا اس کے قریب قریب بیان فرمایا، الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت حدیث میں نہایت محتاط تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کو ''اقلوا الرِّوایۃ'' کا مشورہ دینا، ہر حدیث کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ''او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا اضافہ کرنا، سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کا کوئی حدیث بیان نہ کرنا اسی احتیاط وخوف کی دلیل ہے حتی کہ عبدالرحمن ابن ابی لیلی سے تو یہاں تک منقول ہے کہ میں نے کوفے کی مسجد میں ایک سو بیس انصاری صحابہ کو دیکھا جن میں کوئی بھی حدیث بیان نہیں کرتا بلکہ ہر ایک اپنے دوسرے بھائی کی روایت پر اکتفا کرتا۔ (ضیاء السنن ص ۱۰۰)

أَخطَأَنِی۔ باب افعال سے ہے، معنی ہیں خطا کرنا اصل مقصد کو چھوڑنا

مُحَلَّلَةً۔ حلل تحلیلا سے اسم مفعول ہو کر حال واقع ہے معنی ہیں کھوکنا

أَزرَار۔ یہ جمع ہے زِرّ کی، گھنڈی، بٹن

إغرَورَقَتْ۔ افعیلال سے ہے معنی ہیں آنکھوں کا آنسوں میں ڈوب جانا،

أوداجه: أودج وداج کی جمع ہے معنی ہیں شہ رگ یعنی وہ رگ ہے جس پر زندگی کا مدار ہے ''وهو عِرْقٌ في العنقِ الذی يَقطَعُه الذابحُ فلا تبقى معه حياة''

(شرح سنن ابن ماجہ ص: ۸۰)

کیا حدیثوں کو بالمعنی روایت کرنا جائز ہے؟

حدیثوں کو روایت بالمعنی کرنا جائز ہے فَجوَّزَهُ الشَّافِعِي رحمہ اللہ وأَبُو حَنِيفَة رحمہ اللہ ومَالِكٌ رحمہ اللہ وَاحمَدُ رحمہ اللہ واكثرُ الفقهاءِ رحمہم اللہ والمُجَوِّزُونَ شَرَطُوا أُمورًا ثلاثةً۔ الأَول: أَنْ لا تكون الترجمةُ قاصرةً عَنِ الأَصل، والثاني: أَن لا يكونَ فيها زيادة ولا نقصان۔ الثالث: أَن تكونَ الترجمةُ مساويةً للأَصلِ۔

(شرح سنن ابن ماجہ ص: ۸۰)

اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

وهذا الحديثُ يَدُلُّ على جوازِ رِوَايةِ الحديثِ بالمَعْنى فإ نَّ فيه تَصْرِيْحًا بِنقلِ المعنى (سابقہ حوالہ)

تم الجواب بعون اللّٰہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ۔ ۴

سوال (٦) عَنْ قَرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ بَعَثَنَا عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ إِلَى الكُوْفَةِ وَ شَيَّعَنَا فَمَشَى مَعَنَا إِلٰى مَوْضِعٍ يُقَالُ لَهٗ صِرَارٌ، فَقَالَ أَتَدْرُوْنَ لِمَ مَشِيْتُ مَعَكُمْ قَالَ قُلْنَا لِحَقِّ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ لِحَقِّ الأَنْصَارِ قَالَ: لٰكِنِّيْ مَشِيْتُ مَعَكُمْ لِحَدِيْثٍ أَرَدْتُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ بِهٖ وَ فَأَرَدْتُ أَنْ تَحْفَظُوْهُ لِمَمْشَايَ مَعَكُمْ إِنَّكُمْ تَقْدَمُونَ عَلٰى قَوْمٍ لِلْقُرآنِ فِيْ صُدُوْرِهِمْ هَزِيْزٌ كَهَزِيْزِ المِرْجَلِ فَإِذَا رَأَوْكُمْ مَدُّوْا إِلَيْكُمْ أَعْنَاقَهُمْ وَقَالُوْا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ فَأَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ أَنَا شَرِيْكُكُمْ۔ اسناده ضعيف

حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ کیا تو مقام صرار تک بطور مشایعت ہمارے ساتھ آئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں آیا، ابن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور انصار کے حق کی وجہ سے، حضرت عمرؓ نے فرمایا (ہاں یہ وجہ بھی ہے) لیکن (اس وقت) ایک خاص بات کی وجہ سے تمہارے ساتھ آیا ہوں جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس ساتھ چل کر آنے کی وجہ سے یاد رکھو گے (تو سنو) عنقریب تم

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ایک ایسی قوم کے پاس پہونچنے والے ہو،جن کے دلوں میں قرآن کریم کے حصول کے لیے کھولتی ہانڈی کی طرح جوش ہوگا، جب وہ تمہیں دیکھیں گےتو وہ (محبت وعقیدت سے) تمہارے سامنے اپنی گردنوں کو بڑھائیں گےتو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کم سے کم بیان کرنا، پھر قلت روایت کے سلسلہ میں، میں تمہارا شریک ہوں۔

شرح الحدیث: حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا والی بنا کر روانہ کیا تو مقام صرار تک ان کے ساتھ رخصت کرنے کی غرض سے آئے پھر معلوم کیا اے قرظہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ !کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آیا؟ قرظہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صحبت نبی اور حق انصار کی وجہ سے آپ ہمارے ساتھ چلے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ بات تو ہے ہی اسکے علاوہ میں تم سے ایک اہم بات بیان کرنے کی غرض سے آیا ہوں، تا کہ اس مشایعت کی وجہ سے یہ اہم بات یاد رہے وہ یہ ہے کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جنہوں نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا ہے ان کے دلوں میں قرآن کے حصول کے لیے کھولتی ہانڈی کی طرح جوش وولولہ ہوگا جب تم ان کے پاس پہنچو گےتو وہ عقیدت ومحبت میں آکر تمہارے سامنے خودسپرگی کا مظاہرہ کرینگے، کیوں کہ وہ نومسلم ہیں انہوں نے نبی کی زیارت نہیں کی اس لیے صحابیت کی وجہ سے وہ تمہاری طرف لپک پڑینگے اور تم سے نبوی اقوال وافعال کی بابت پوچھیں گے اس وقت کم سے کم احادیث بیان کرنا، کیونکہ ابھی ان کا قرآنی شعور پختہ نہیں، اس لیے ان سے کوئی اور بات کرنا مناسب نہیں تا آنکہ انہیں کتاب اللہ سے مناسبت وواقفیت ہوجائے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں جو روایات کو کم بیان کرنے کی ہدایت دی تھی اس کی وجوہ تحریر کریں

اسکی تین وجوہات ہیں:

(۱) یہ لوگ نو مسلم ہیں اور اس وقت ان کی بھرپور توجہ قرآن کریم کی طرف ہے جو بے حد خوشی کی بات ہے، ایسی صورت میں بوقت ضرورت کچھ احادیث ضمنا تو ذکر کی جاسکتی ہیں لیکن وہ اتنی زیادہ نہ ہو کہ کتاب اللہ سے ان کی توجہ ہٹ جائے، عہد رسالت میں ابتداًاسی لیے احادیث لکھنے کی ممانعت تھی (۲) اس قوم کو عہد رسالت کا زمانہ نہیں ملا، اسلامی نظام وحیات سے پوری طرح آشنا نہیں، اسلام کے مزاج اور اصول ومبادیات سے لاعلم ہیں تو ممکن ہے کہ تمہاری کثرت تحدیث ہضم نہ کر سکے اور حدیث شریف کا مطلب غلط سمجھ کر فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ (۳) جس چیز کی کثرت و بہتات ہوتی ہے اسکی قدرومنزلت فطری طور پر لوگوں کی نظروں سے کم ہو جاتی ہے اس لیے کثرت تحدیث سے کام نہ لینا۔ ثُمَّ أَنَا شَرِيكُكُمْ۔ حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میرا طرۂ امتیاز قلت روایت ہے اور اسی کی میں تم کو نصیحت کر رہا ہوں اگر تم نے میری اس نصیحت پر عمل کیا اور قلت روایت کو اختیار کیا تو گویا تم نے میری اتباع کی اور اس وصف میں ہم دونوں شریک ہیں۔

منکرین حدیث اور کتمان علم کا جواب:

حضرت عمرؓ بالکلیہ حدیث کے بیان کرنے پر پابندی لگاتے تو اس وقت اعتراض

Website:MadarseWale.blogspot.com

ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ آپ قلت روایت کی ترغیب کسی مصلحت سے دے رہے ہیں نیز اس حدیث میں چونکہ احادیث کے بیان کرنے میں احتیاطی پہلو اپنانے کی تلقین کی ہے اسی لیے امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو باب التوقی فی الحدیث میں ذکر فرمایا اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث کم بیان کرنے پر زور کیوں دیتے تھے؟

يُرِيْدُ بِذلكَ أن لا يتسع الناسُ فيها فيدخلها الشَّوْبُ ويقع التدلِيْسُ والكذبُ مِنَ المنافِقِ والفاجرِ والأعرابيِ (سنن ابن ماجہ ص:۱۰۰)

خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق

أَقِلُّوْا: امر حاضر معروف، صیغہ: جمع مذکر حاضر، لغوی معنی، کم کرنا اور مرادی معنی یہ ہیں کہ جب لوگ تم سے کہیں کہ تم صحابی رسول ہو، ہمیں احادیث سناؤ، تو اس وقت کم سے کم حدیث بیان کرنا۔

المَمْشٰی: چلنے کی جگہ

مِرْجَلٌ: ہانڈی: مرادی معنی: ایسا برتن جس میں پانی آگ یا کسی اور وجہ سے جوش مارہا ہو، بکسر المیم إناءٌ يغلى فيه الماءُ سواء كان من نحاس أو غيره وله صوتٌ عندَ غلَيانِ الماءِ فيه۔

هَزِيْز: کے لغوی معنی ہانڈی میں کھولنے کی آواز کے ہیں اور اس سے مراد قرآن کے تئیں ان لوگوں کا شوق وولولہ ہے۔

شَيَّعَنَا: باب تفعیل سے ہے رخصت کرنے کے لیے کچھ دور چلنا۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ۔۵

سوال (۷) عَنِ العِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ يَقُوْلُ : قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وسلم ذَاتَ يَومٍ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً وَجِلَتْ مِنْهَا القُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا العُيُوْنُ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ ! وَعَظْتَنَا مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ فَاعْهَدْ إِلَيْنَا بِعَهْدٍ فَقَالَ: عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِى اِخْتِلَافًا شَدِيْدًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ المَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَالْأُمُوْرَ المُحْدَثَاتِ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ اسنادہ ضعیف

عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایسا پر مغز وعظ فرمایا کہ آنکھیں بہنے لگی اور دل دہل گیا، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ وعظ تو الوداع کہنے والے کی نصیحت سا ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سے کیا عہد لیتے ہیں آپ نے فرمایا تم کو لازم ہے کہ اللہ سے ڈرو، امیر کی بات سنو اور اسکی اطاعت کرو خواہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور عنقریب تم لوگ میرے بعد زبر دست اختلاف دیکھوں گے تو اس وقت تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اسے اپنی ڈاڑھوں سے مضبوطی سے تھامنا اور تم دین میں ہر نو ایجاد چیز سے اجتناب کرنا اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

Website:NewMadarsa.blogspot.com

سنت کے لغوی معنی

سنت کے لغوی معنی ہیں خصلت اور طریقہ کے۔ السُّنَةُ: الطريقةُ، مرضية او كانت غير مرضية

سنت کی شرعی تعریف: هى الطريقةُ المسلوكةُ مِنْ غير افتراضٍ ولا وجوبٍ۔

(۲) فالسنةُ: ما واظب النبىُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عليها مع التركِ احيانًا فان كانت المواظبة

المذکورۃ علی سبیلِ العبادۃِ فسُنَن الھدی، و ان کانتْ علی سبیلِ العادۃِ فسنن الزوائد۔ (کتاب التعریفات ۲۰۴)

بدعت کے لغوی معنی: بدعت کے لغوی معنی ہیں بغیر نمونہ کے بنائی ہوئی چیز۔

بدعت کی شرعی تعریف: جو کام شریعت اور سلف صالحین سے ثابت نہ ہو، اسے دین اور کارِ خیر سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت ہے (کتاب النوازل ج:۱ص:۴۵۰)

عَضُّوا عَلَیھَا کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

سنت ہے، عَلَیھَا ای عَلی السُّنَّۃِ۔ (مرقات ۱/۳۷۴)

کیا غلام امیر المؤمنین بن سکتا ہے؟

اس حدیث میں آپ لوگوں کو امیر کی اطاعت پر ابھار رہے ہیں یعنی اگر بفرض محال کوئی بالکل ادنی نسب وحسب والا آدمی تم پر حاکم بنا دیا جائے تو اسکی اطاعت سے بھی گریز نہ کرنا بلکہ اسکی اطاعت کو بھی اپنے اوپر لازم جاننا۔ یہ مطلب نہیں کہ واقعتا تم پر عبد حبشی امیر مقرر ہو جائے گا بلکہ یہ بطور تمثیل کے ہے ورنہ خلیفۃ المسلمین تو قریش میں سے ہوگا (تکمیل الحاجہ ۹۰)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت کیساتھ خلفاء کی سنت کو کیوں ذکر کیا؟

اس کی دو وجہ ہیں:

(۱) حضورؐ کو معلوم تھا کہ میری بعض سنتیں میرے زمانے میں اتنی شائع نہ ہونگی جتنی ان حضرات کے زمانے میں ہوں گی اسی لیے اپنی سنت کے ساتھ ملا کر ان حضرات کی سنتوں کو ذکر کیا (۲) حضورؐ کو یقین تھا کہ یہ حضرات میری سنت سے استنباط کر کے فیصلہ کریں گے مسائل بتائیں گے اور اسمیں ان سے غلطی نہ ہوگی۔ (تکمیل الحاجہ: ۹۲)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

ابن ماجہ:٦

سوال (٨) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلَّمَ مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الجَدَلَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الآيَةَ.

(بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ)۔ اسنادہ ضعیف

ترجمہ: فرمایا ہدایت کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی، مگر اس طرح کہ اس کے مزاج میں جھگڑا پیدا کر دیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی بلکہ وہ لوگ جھگڑالو قوم ہیں۔

مصنفؒ نے مذکورہ حدیث کس باب کے تحت ذکر کی؟

مصنف ابن ماجہ محمد بن یزید بن عبد اللہؒ نے یہ حدیث باب اجتناب البدع والجدل میں ذکر کی۔

جدل کی تعریف: جدل کہتے ہیں اپنے نبیوں کے ساتھ باطل طریقہ سے جھگڑنا اور ان سے بر بنائے عناد و دشمنی یا بسبب انکار معجزہ طلب کرنا۔۔وهو الخصومة بالباطلِ مَعَ نبيّهم و طلبُ المعجزِ منه عِناداً او جُهوداً (مرقاة ۱/۳۸۷)

(۲) جدل سے مراد عام لڑائی جھگڑا نہیں بلکہ دین میں وہ نفسانی اختلاف ہے جس کا مقصد عمل سے فرار یا اپنی بات پر اڑے رہے حق کو جانتے ہوئے بھی۔

ھدی: اس کا استعمال دو معنوں میں ہوا ہے

پہلے معنی رہنمائی کرنا اور راہِ حق کو واضح کرنا، اس اعتبار سے پیغام خداوندی راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے (ھدی) ہے کہ ان کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے چاہے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں: قرآن میں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(وَأَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى).

دوسرے معنی: بندہ کے دل میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا اور توفیق دینے کے ہیں۔ (تفسیر الرحمن لبیان القرآن: ۱۷/۱)

شرح الحدیث: پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس قوم نے ہدایت پالی اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئی تو وہ کبھی گمراہ نہیں ہوسکتی الا یہ کہ اس کے مزاج میں جھگڑا پیدا کردیا گیا ہو، تو وہ اپنی اس نحوست کیوجہ سے گمراہ ہوسکتی ہے یہ ایسی بری نحوست ہے کہ اسی کی وجہ سے شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی، اس لیے جھگڑے وغیرہ سے ہر قیمت پر بچنا چاہیے، چاہے اپنا حق ہی کیونکہ نہ چھوڑنا پڑے، شریعت نے ان چیزوں سے بھی بڑی تاکید کیساتھ روکا جو اختلاف وجدال کا سبب بنتی ہیں مثلا: تمسخر، شماتت، انتقام اور غضب وغیرہ۔

مدعاء کیا ہے؟

مدعاء یہ ہے کہ ہدایت کے ہوتے ہوئے کوئی قوم گمراہ نہیں ہوتی مگر وہ قوم جس کے مزاج میں جھگڑا ہو، وہ گمراہی کے دلدل میں پھنس جاتی ہے۔

آیت سے مدعاء ثابت کیجیے۔

ان آیات کے شانِ نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں

(۱) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے ارشاد فرمایا: اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کسی کی بھی عبادت کیجاتی ہے اسمیں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاری حضرت عیسی علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا ان میں بھی خیر نہیں؟ اور بقول آپ کے کہ وہ اللہ کے نیک بندے اور اسکے نبی تھے۔

دوسرا شانِ نزول یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت:

"اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (کہ اے مشرکو! تم اور جنکی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے) نازل ہوئی تو عبداللہ بن الزبعری نے کہا نصاری حضرت عیسی علیہ السلام اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا یہ دونوں بزرگ بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ جب یہ آیات نازل ہوئی، یعنی سورۂ زخرف کی آیت نمبر: ۵۸/۵۷

(معارف القرآن: ۷/۵۴۵۔ الجامع للاحکام القرآن: ۸/۴۸۹)

اب ہم مدعا ثابت کرتے ہیں وہ اس طرح کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا کہ اللہ کے علاوہ تم جس کسی کی بھی عبادت کروگے اس میں کوئی خیر نہیں، عابد معبود دونوں جہنم کا ایندھن ہونگے تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانی اور الٹے سیدھے سوالات قائم کیے، بس یہی جدل ہے اور یہ ہدایت پر ہوتے ہوئے بھی گمراہ ہوگئے، یعنی روشن دلائل کی بناء پر ان کا ہدایت کی قبولیت پر قادر ہونا گویا ذہنا ہدایت پر قائم ہونے کے قائم مقام ہے یہ ہے ہدایت پر ہوتے ہوئے گمراہ ہوجانا کا مطلب کما قال الشیخ السندھی علیہ الرحمۃ

کفار قریش اور عبداللہ بن الزبعری نے جو اعتراض کیا تھا اسکا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ ان کے معبودوں میں کوئی خیر نہیں اور عابد و معبود دونوں جہنمی ہونگے اس سے مراد وہ معبود تھے جو یا تو بے جان ہوں جیسے پتھر کے بت وغیرہ یا جاندار ہوں مگر وہ خود اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوں یا اسے پسند کرتے ہوں، جیسے شیاطین، فرعون اور نمرود وغیرہ۔ (معارف القرآن: ۷/۷۴۶)

تم الجواب بعون اللہ تعالی

☆ ☆ ☆

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:٦

سوال (۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: تَلاَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هَذِهِ الآيَةَ (هو الَّذِىٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ إِلٰى قَوْلِهٖ وَمَايَذَّكَّرُ إِلاَّ أُولُو الأَلْبَاب) فَقَالَ: يَاعَائِشَةُ! إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْهِ فَهُمُ الَّذِيْنَ عَنَاهُمُ اللهُ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ اسناده صحيح

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی، ھو الذی انزل الخ (وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں محکم ہیں وہ کتاب کی بنیاد ہیں اور کچھ متشابہات ہیں، اور نصیحت عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں، پھر آپ نے کہا اے عائشہؓ! جب تم ان لوگوں کو پاؤ جو قرآن میں جھگڑیں تو ان سے اجتناب کرنا کیونکہ آیت میں یہی اللہ کی مراد ہیں۔

محکم کی تعریف:

علامہ کشمیریؒ: مَا اُحْكِمَ مُرَادُهٗ۔

متشابہ کی تعریف:

علامہ زرکشیؒ: لاَ يُرْجٰى بَيَانُهٗ۔

علامہ کشمیریؒ: مَا أُبْهِمَ مُرَادُهٗ۔

جس آیت کی مراد حتمی طور پر معلوم کرنے میں اشتباہ ہو اسکو متشابہ کہتے ہیں علم تفسیر میں (مستفاد ضیاء السنن ص ۱۵۷)

محکم کا حکم: اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے (قاموس الفقہ: ۵/ ٦۸)

وحكمه:

وُجوْبُ العمَلِ به مِنْ غَيْرِ احْتِمَالِ التَاوِيْلِ والتَخْصِيْصِ والنَسخِ۔

متشابہ کا حکم:

اعتقادُ حقيقته فِيْمَا ارِيْدَ منه وتفوِيضُ امرِهِ إلى اللهِ سبحانه وتعالىٰ۔

(تسہیل الاصول ص: ۲۹/۲۷)

حدیث شریف کا باب سے کیا تعلق ہے؟

مصنف نے باب اجتناب البدع والجدل قائم کیا اور اسکے تحت ایسی احادیث کو لائے جو باب سے متعلق ہیں، مثلاً اس حدیث میں گمراہی، بدعتی اور متشابہات کے درپے ہونے والوں کی صحبت سے خبردار کیا ہے یعنی فسادِ عقائد کے اندیشہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو ان سے سلام وکلام اور نشست وبرخاست سے بھی پرہیز رکھنا چاہیے، روایت میں ہے إذا رأيتم الذين يجادِلُونَ فِيهِمْ فهم الذين عَنَا هُمُ اللهُ فاحْذَرُوهُمْ" یعنی گمراہ، بدعتی اور متشابہات کے درپے ہونے والوں سے چوکنا رہو، بس یہی ترجمۃ الباب ہے۔

تم الجواب بعون الله تعالىٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ: ٦

سوال (۱۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: ((العِلْمُ ثَلاَثَةٌ فَمَا وَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ))

اسناده ضعيف۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

کہ علم تین ہیں اور اسکے علاوہ سب زوائد ہیں، آیت محکمہ، سنت قائمہ، یا فریضہ عادلہ۔

وضاحت: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ: کے لغوی معنی: علامت اور عبرت کے ہیں اور اسکی جمع آیات ہے مرادی معنی اسکے یہ ہیں کہ قرآن مجید کے ایسے ٹکڑے کو کہتے ہیں جو ایک مکمل جملہ ہو اور باہم مربوط ہو، یہ طویل بھی ہو سکتی ہے اور مختصر بھی (قاموس الفقہ ۱/۴۴۸)

آیت محکمہ سے یہاں کتاب اللہ کی وہ تمام آیات مراد ہیں جو منسوخ نہ ہوں اور ان کی مراد بھی واضح ہو، قال الخطابی علیہ الرحمۃ الآيةُ المحكمةُ هِيَ كتاب الله الخ

(دیباجہ ابن ماجہ: ۱/۲۸۷)

سنةٌ قائمةٌ: سنت کے لغوی معنی: إعْلَمْ أن السُّنةَ في اللغة: الطريقةُ، حسنةً كانت أم سَيِّئَةً (دیباجہ ابن ماجہ: ۱/۳۷)

سنت: السنةُ عندَ المحدثينَ هِيَ كُلُّ مانُقِلَ عنِ النبيِ من قولٍ أو فعلٍ أو تقريرٍ أو صفةٍ خلقيةٍ أو سيرةٍ سواءٌ كان ذلك قبل البِعْثَةِ كَتَحَنُّثِه في غار حِراءٍ أم بعدَها والسُّنَةُ بهذا المعنى مرادفةٌ للحديثِ

سنة قائمة، سے مراد یہاں ایسی سنت ہے جو ثابت ہو سنداً صحیح، اور حکماً منسوخ نہ ہو

محکم کے لغوی معنی: پکی اور پختہ بات کے ہیں المحكمُ إسمُ مفعولٍ مِنْ احكَمَ الشيئَ أحكامًا أتقنه (كتاب التعريفات للجرجانی ۲۲۴)

اصطلاحی معنی:

محکم وہ ہے جو نہایت درجہ واضح ہو اور اس میں نسخ کا کوئی احتمال نہ ہو

فریضہ کے لغوی معنی: فَرِيضَةٌ: ج فَرَائِض فرض مقرر کردہ حصہ

فریضۃ عادلۃ سے یہاں کیا مراد ہے اس بارے میں چار اقوال ہیں۔

(۱) علم الفرائض (۲) وہ احکام مراد ہیں جن کی تعدیل وتصدیق قرآن وسنت کریں

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۳) وہ تمام مسائل شرعیہ مستنبطہ ہیں جن پر مسلمانوں نے اتفاق کرلیا ہو (۴) وہ تمام مسائل واحکام جو کتاب وسنت اور ایسے اجماع وقیاس سے مستنبط اور مستخرج ہوں جو منصوص کے حکم کے مساوی ہیں وجوب عمل اور صدق وصواب ہونے میں (تکمیل الحاجہ: ۱۲۸)

اجتہادی مسائل کونسی قسم میں داخل ہیں

علامہ کشمیریؒ: فرماتے ہیں کہ مسائل اجتہادیہ زوائدات میں داخل ہیں و أمّا المسائلُ الاجتهاديةُ فداخلةٌ فى الفضل۔ (شرح سنن ابن ماجہ ص: ۱۵۷)

دیگر علوم کا کیا حکم ہے؟

دیگر تمام علوم صناعات یعنی پیشے کے حکم میں ہیں

أقول على ما فَهِمتُ مِنْ كلامِ المحقِّقينَ من الأساتذةِ الكرامِ اَلحِجامةُ والزِراعةُ والنِساجَةُ وعلم الغرُوضِ والطِبِ والهيئةِ والحِكمةِ والمنطقِ والفلسفةِ والهَندَسةِ وغيرِ ها مِن العلومِ الدنيويةِ كلِّها دَاخِلةٌ فى الصَناعاتِ والحرْفةِ العاليةِ وحكمُها حكمُ جميعِ الصِناعاتِ المباحَةِ۔ ولكن لا تسَمّى هذه الصناعات بالعلوم ابدًا فى اصطلاحِ الشرع وتَسمِيَةُ هذه الأشياء بالعلومِ الجديدةِ تلبِيْس مِنَ الإبليسِ (شرح سنن ابن ماجه ص: ۱۵۷)

تم الجواب بعون اللّٰه تعالىٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:٦

سوال(۱۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلَّمَ لاَ يَقْبَلُ اللهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا، وَلاَ صَلٰوةً، وَلاَ صَدَقَةً، وَلاَ حَجًّا، وَلاَ عُمْرَةً، وَلاَ جِهَادًا، وَلاَ صَرْفًا، وَلاَ عَدْلاً، يَخْرُجُ مِنَ الإِسْلاَمِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعَرَةُ مِنَ العَجِيْنِ۔

موضوع۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا نہ روزہ، نہ نماز، نہ صدقہ، نہ عمرہ، نہ جہاد اور نہ ہی کوئی عبادت قبول کرتے ہیں نہ فرض عبادت قبول کرتے ہیں نہ نفل، وہ اسلام سے اسی طرح نکل جاتا ہیں جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

بدعت: الأمر المحدث الذی لم یکن علیہ الصحابة و التابعونَ ولم یکن مما اقتضاہ الدلیلُ الشَّرعِیُ (قواعد الفقہ ص ۲۰۴)

یعنی بدعت اس من گھڑت عقیدہ یا عمل کو کہا جاتا ہے جس پر نہ تو صحابہ اور تابعین کا عمل رہا ہو اور نہ کسی دلیل شرعی سے اسکی تائید ہوتی ہو۔

قبول سے قبول اصابت مراد ہے یا قبول اجابت؟

حدیث میں قبول سے قبول اجابت مراد ہے

قبول اجابت کا مطلب: اللہ کے یہاں عمل کے پسندیدہ ہونے کو قبول اجابت کہتے ہیں کہ جس پر اللہ تعالیٰ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

قبول اصابت: تمام ارکان وشرائط کیساتھ کسی عمل کا ظاہر ہونا ہے اس کا نتیجہ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے خواہ آخرت میں ثواب نہ ملے؛ کَوْنُ الشی مُستجمِعا لِجَمِیعِ الشرائطِ والأرکانِ۔

اسلام سے خارج ہونے کے کیا معنی ہیں؟

علامہ سندھیؒ نے "یخرج من الإسلام" کی وضاحت میں لکھا ہے "ای مِن کمَالِه" یعنی بدعتی کمال اسلام سے نکل جاتا ہے نفس اسلام سے نہیں یعنی یہ الفاظ شدت وغلظت پر محمول ہونگے (ضیاء السنن ص ۱۶۷)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ: ۷

سوال (۱۲) عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلی اللہ علیہ وسلَّمَ: صِنْفَانِ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ لَيسَ لَهُمَا فِي الإِسْلَامِ نَصِيبُ المُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ۔ اسنادہ ضعیف۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس امت میں دو طبقیں ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں، مرجیہ اور قدریہ۔

شرح الحدیث:

اس حدیث میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری امت میں سے دو جماعتیں ایسی ہونگی، جنکا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، وہ مرجیہ اور قدریہ ہیں شارحین کہتے ہیں کہ بعض علماء امت نے ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے ان دونوں فرقوں کی تکفیر کا فتوی دیا ہے، مگر امت کے سواد اعظم اور جمہور محدثین نے تکفیر کی نفی کی ہے، اور دلیل کے طور پر کہا: "لیس لهما في الإسلام نصیب" سے مقصود نفس ایمان کی نفی مراد

نہیں بلکہ ایمانِ کامل کی نفی مقصود ہے اور اس قول کی تائید ترمذی شریف کی روایت سے ہوتی ہے، ترمذی میں "مِنْ هٰذِهِ الأُمةِ" کے بجائے "مِنْ أمتي" کا لفظ آیا ہے، جس کا مطلب ملا علی قاریؒ: "أي أمَةَ الإجابة" لکھتے ہیں یعنی یہ مسلمان تو ہیں کامل نہیں۔

مرجیہ: وهم فِرْقَةٌ مِنْ فِرَقِ الإسلامِ يعتقدون أنه لا يضر معَ الإسلامِ معصيةٌ كما أنه لا ينفعُ معَ الكفرِ طاعةٌ، سمُّوا بذلك لاعتقادهم أن الله تعالىٰ إرْجاءُ تَعْذِيبَهُمْ على المعاصِي أي: أَخَّرَهُ عَنْهُمْ وبَعَدَهُ (ضیاء السنن ص: ۲۰۳)

ایسا فرقہ ہے اسلام کے ساتھ کسی معصیت اور کفر کے ساتھ کسی طاعت کے اثر کا قائل نہیں، اللہ تعالیٰ گناہوں کے باوجود بندوں کی سزا کو موخر کر دیتے ہیں اس قول کی وجہ سے ان کو مرجیہ کہا جاتا ہے۔

قدریہ: یہ فرقہ تقدیر الٰہی کا منکر ہے، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے سے جو افعال صادر ہوتے ہیں اس میں قضاء اور قدر کا کوئی دخل نہیں، بلکہ بندہ ہی افعال کا خالق بھی ہے اور کاسب بھی۔

قدریہ کی وجہ تسمیہ: وإنَمَا نُسِبتْ هذه الطَّائِفةُ إلى القَدرِ لأنهم يَبحثُونَ في القدرِ كثيرًا۔۔۔ (مرقاۃ ج: ۱ ص: ۲۸۴) مکتبہ فیصل۔

مرجیہ کی وجہ تسمیہ: شیخ عبد الکریمؒ ارجا کے دو معنی لکھتے ہیں (۱) ارجا بمعنی تاخیر (۲) امید دلانا، پہلے معنی کے اعتبار سے ان کو مرجیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ عمل کو قصد ونیت سے مؤخر قرار دیتے ہیں (۲) مرجیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت کو نقصان دہ نہیں سمجھتے۔

مرجیہ کے عقائد: (۱) انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے (۲) دنیا اور آخرت دونوں میں رویت باری کے منکر ہیں (۳) ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے زبان سے کفر کا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اعلان کرنے، بتوں کی پرستش یہودیت ونصرانیت کا عقیدہ رکھنے اور صلیب کی پوجا کرنے سے بھی ایمان باقی رہتا ہے (۴) اگر کوئی شخص دارالاسلام میں رہتے ہوئے تثلیث کا عقیدہ رکھتا ہے اور پھر اسی حالت میں مرجائے تو وہ شخص خدا کے یہاں مؤمن کامل اور قطعی جنتی ہوگا (۵) اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام کردیا ہے لیکن مجھے اتنا معلوم نہیں کہ خنزیر یہ بکری ہے یا کچھ اور تو وہ مؤمن ہی رہیگا۔

(حیات حضرت امام ابوحنیفہؒ ص:۱۸۹)

قدریہ کے عقائد: (۱) بندہ اپنے افعال کا خود خالق وموجد ہے (۲) تقدیر کے منکر ہیں (۳) إنَّ الخيرَ مِنَ اللهِ والشرَّ من إبليس (۴) قالوا إنَّ اللهَ لَمْ يَخلُقْ شَيطَانًا۔ (۵) قالوا إنَّ السيئاتِ كلَّها مقدرةٌ إلا الكفرَ (۶) قالوا لا نَدرِي هذه الأفعالُ مِنَ اللهِ أم من العِبادِ ولا نعلمُ أيُثابُ الناسُ بعدَ الموتِ أو يعاقبون

لَيسَ لَهُمَا فِي الإِسْلَامِ نَصِيبٌ: اس عبارت سے ایمان کامل کی نفی مراد ہے نفس ایمان کی نہیں (۲) یہ زجر وتوبیخ پر محمول ہے (۳) اس جگہ کفر تاویلی مراد ہے نہ کہ کفر ارتدادی (۴) یہ حدیث متکلم فیہ ہے۔ ملاعلی قاریؒ: نے کہا کہ یہ الفاظ ان کی بدقسمتی اور کم نصیبی پر محمول کیے جائیں، (تکمیل الحاجہ ص:۱۵۱)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۸

سوال(۱۳) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَا:

الإِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ۔ ھذاالحدیث موقوف

ایمان کے لغوی معنی: علامہ آلوسیؒ اور علامہ تفتازانیؒ نے تصدیق کے بیان کئے ہیں الإیمانُ في اللغةِ التَّصدِیْقُ۔ (شرح عقائد ص:۱۱۸)

اصطلاحی تعریف: علامہ عمر نسفیؒ نے اس طرح بیان کی ہے، ھو التَّصْدِیْقُ بِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللهِ تعالیٰ، یعنی ایمان ان باتوں کی تصدیق ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے (شرح عقائد ص:۱۱۹)

ایمان بسیط ہے یا مرکب؟

جمہور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک: بسیط ہے۔ جمہور محدثین، معتزلہ اور خوارج کے نزدیک: مرکب ہے۔

ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

امام اعظمؒ، جمہور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک: ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ ایمان بسیط ہے اور شئ بسیط میں کمی بیشی نہیں ہوتی عدم اجزاء کی وجہ سے، اور یہی مسلک راجح ہے۔

امام شافعیؒ جمہور محدثین، معتزلہ اور خوارج کے یہاں مرکب ہے اور جو چیز مرکب ہو وہ کمی زیادتی کو قبول کرتی ہے، معلوم ہوا کہ ان کے یہاں ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جمہور فقہاء اور متکلمین کے دلائل:

(۱) وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بالاِیْمَان (۲) أولٰئک کَتَبَ في قُلُوْبِھِمُ الإیْمَان (۳) وَلَمَّا یَدْخُلِ الاِیْمَانُ فِيْ قُلُوْبِکُمْ، وما إلی ذلک۔

ان تمام آیات میں ایمان کا محل قلب کو بتلایا ہے اور قلب میں صرف تصدیق پائی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے یعنی بسیط ہے اور شئ بسیط میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

جمہور محدثین کے دلائل:

(۱) وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیاتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا، وَمَازَادَھُمْ اِلَّااِیْمَانًا وَتَسْلِیْمًا (۲) الاِیْمَانُ یَزِیْدُوَیَنْقُصُ، (ابن ماجہ)

جواب: ان آیات اور احادیث میں اصالۃً ایمان کی کمی بیشی مراد نہیں بلکہ کمال ایمان کی رو سے کمی وزیادتی مراد ہے

ایک علمی بحث

مرجیہ، فقہاء اور متکلمین کے یہاں ایمان کے بارے میں بنیادی اختلاف

مرجیہ کے بقول جنت میں دخول اولی کے لیے صرف تصدیق قلبی کافی ہے جبکہ امام اعظمؒ اور فقہاء کے نزدیک تصدیق قلبی کے ساتھ اقرار باللسان اور عمل بالارکان بھی ضرری ہے کیونکہ اسی صورت میں ایمان کامل ہوگا اور ایمان کامل ہی دخول اولی کا سبب ہے۔

جمہور محدثین، معتزلہ اور خوارج کے مابین فرق

معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ تصدیق بالجنان اقرار باللسان اور عمل باالارکان یہ

تینوں ایمان کے لازمی اجزاء ہیں: جبکہ محدثین کہتے : ہیں تصدیق بالجنان اصل ایمان ہے باقی دونوں جزء (اقرار باللسان اور عمل بالارکان زائد ہیں) یعنی ان کے بغیر بھی آدمی مومن ہی رہے گا۔

جمہور فقہاء اور محدثین کے مابین اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں

(۱) کیونکہ دونوں نے ایک ہی حیثیت سے ایمان کو مرکب اور بسیط نہیں کہا بلکہ امام شافعیؒ اور جمہور محدثین نے ایمان کو مرکب کہا ہے کمالِ ایمان کے اعتبار سے جس کے فقہاء بھی قائل ہیں امام اعظمؒ اور جمہور فقہاء نے ایمان کو بسیط کہا ہے نفس ایمان کے اعتبار سے جس کے محدثین بھی قائل ہیں۔ الغرض: نفس ایمان لا یزید و لا ینقص اور کمال ایمان یزید و ینقص ہے عند أهل الحق۔

مثال:

تین طلبہ نے پیسے جمع کیے اور مشورہ کیا کہ کچھ کھانے کے لیے لیا جائے سب نے کہا ہاں، لیکن رائے سب کی الگ الگ، ایک نے کہا انگور لیے جائیں دوسرے نے کہا عنب لیے جائیں تیسرے نے کہا گریپس لیے جائیں ایک چوتھا طالب علم یہ سب ماجرہ دیکھ رہا تھا اس نے کہا پیسہ لاؤ اور اس نے انگور لا کر ان کے سامنے رکھ دیے۔

غور کیجیے ہر ایک کے الفاظ الگ ہیں لیکن مقصد سب کا ایک ہے؛ یہ ہے اختلاف لفظی کی حقیقت؛ یہ مثال حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحب نے بیان فرمائی تھی۔

(۲) یہ دلائل کا اختلاف نہیں بلکہ موقع اور محل کا اختلاف ہے

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:۹

سوال (۱۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ، وَأَحَبُّ إِلَى اللہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِيْ كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللہِ، وَلَا تَعْجَزْ فَإِنْ أَصَابَكَ شَيْئٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَرُ اللہُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ "لَوْ" تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ.

اسنادہ حسن

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاقت ور مومن کمزور مومن کے مقابلہ میں بہتر اور اللہ کے نزدیک محبوب ہے، اور ہر ایک میں خیر ہے اس چیز پر پابندی کرو جو تمہیں نفع دے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور عاجز مت رہو پس اگر تمہیں کوئی نقصان آپہنچے تو یہ مت کہو کہ (کاش) ایسا ایسا کیا ہوتا (تو یہ نہ ہوتا) بلکہ یہ کہو اللہ تعالیٰ نے مقدر کردیا اور اس نے جو چاہا کیا، کیوں کہ ایسا کیا ویسا کیا شیطانی وساوس کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔

وضاحت:

المؤمنُ القويُ: ای القادرُ تکثیرَ الطاعة: المؤمنُ الضعیفُ ای العاجزُ عنه.

قیل: المراد بالمؤمن القوی الصابرُ علی مخالطةِ الناسِ وَتَحَمّلَ أَذِيَتِهِمْ وتعلیم الخیرِ وإرشادهم إلی الهدیٰ۔۔۔ والمؤمنُ الضعیفُ بخِلَافِه.

(شرح سنن ابن ماجہ: ۲۱۸)

وضاحت:

نبی علیہ الصلاۃ والسلام اس روایت میں امت کو کچھ انمول ہدایات دے رہے ہیں جن میں دین ودنیا کا نفع پوشیدہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بالا میں چار ہدایات ارشاد فرائیں ہیں۔جن کی نمبر وار تشریح کی جاتی ہے (۱) المؤمنُ القويُ خير: طاقت ور مومن ضعیف وکمزور مومن کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔محدثین نے اس جملہ کے دو مطلب ذکر فرمائیں ہیں (الف) پہلا مطلب یہ ہے کہ طاقت ور ہونے سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ رب العزت پر مضبوط اعتماد اور پختہ یقین رکھتا ہو ہر کام میں صرف اسکی ذات پر بھروسہ کرتا ہو، تو ایسا شخص اللہ کے نزدیک بہتر ہے بمقابلہ اس شخص کے جس میں یہ خوبی نہ ہو (ب) دوسرا مطلب محدثین نے یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خلق خدا کی ایذاءرسانی پر صبر کرتے ہوئے تحمل و برداشت سے کام لے، بدلہ لینے یا بددل ہو کر کنارہ کش ہونے کے بجائے ان کے درمیان میں رہ کر درس وتدریس وعظ ونصیحت اور تقریر وتحریر کے ذریعہ دین اسلام کی نشر واشاعت کرتا رہے انجانے میں یا جان بوجھ کر عوام الناس کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو نظر انداز کر کے جو شخص محض رضائے الٰہی کی غرض سے تبلیغ دین میں مصروف رہے گا وہ اللہ کا محبوب اور پسندیدہ ہوگا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد واعظین ومبلغین اور علماء کرام کو حوصلہ دینے نیز ان کے جذبہ تبلیغ کو جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے (۲) احرِص علی مَا یَنفَعکَ: دوسری ہدایت دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیشہ نفع بخش چیزوں کی تلاش وجستجو میں رہو یعنی دارین میں فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو ڈھونڈتے رہو ان کے بارے میں معلومات کرتے رہو اور

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

پھر جب پتہ لگ جائے تو ان پر عمل کر کے اپنی زندگی اور آخرت کو سدھارنے کی کوشش کرو (۳) وَ اسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجَزْ: فرمایا کہ ہر کام میں اللہ سے مدد طلب کرتے رہو وہی کارساز ہے اور اسکے سوا کوئی انسانوں کے کام آنی کی طاقت نہیں رکھتا وہی دکھ سکھ کا ساتھی ہے، عبادات وطاعات کا موقع ہو یا کاروباری الجھنیں، گھریلو پریشانیاں ہو یا اولاد کی نالائقی، بیماریوں سے پیدا ہونے والی مختلف تکلیفیں ہوں یا اپنوں کے بچھڑنے کا غم ہر مرحلہ پر انسان کو اللہ سے مدد طلب کر کے اسباب و وسائل کو اختیار کرنا چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے (۴) فَإِنْ أَصَابَکَ شَیْئٌ: فرمایا اگر تمہیں کوئی آفت یا مصیبت آگھیرے یا کسی حادثے سے دوچار ہو جاؤ یا کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو یہ مت کہنا کہ میں اگر ایسا کر لیتا یا یہ تدبیر اختیار کر لیتا تو بچ جاتا جیسے اگر ایکسیڈینٹ کا واقعہ پیش آجائے تو لوگ تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر گاڑی کچے میں اتار لیتے تو حادثہ سے بچ جاتے یا رفتار کم ہوتی تو یہ حادثہ پیش نہ آتا وما الی ذلک ـــــ حالانکہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ بیماریاں حوادثات جانی ہو یا مالی تقدیر میں پہلے سے لکھ دئے گئے ہیں جن کا رونما ہونا ایک لازمی امر ہے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا، جیسا کہ ارشاد باری ہے "قُلْ لَنْ یُصِیْبَنَا إِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا" آپ کہہ دیجئے کہ ہرگز مصیبت ہم کو نہیں پہنچتی مگر یہ کہ اللہ رب العزت نے ہماری تقدیر میں اس کو لکھ دیا ہے (معارف وحکم ۔ ۲/ ۱۰۸)

حدیث کا مقصد کیا ہے؟

حدیث بظاہر مختلف احوال ونصائح پر مشتمل ہے لیکن گہری نظر ڈالنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس کا پیغام یہ ہے کہ مومن کو طاقتور ہونا چاہئے لیکن جو کمزور ہے اللہ کے نزدیک وہ بھی خیر وفلاح کا حامل ہے، نیک اعمال کو انجام دینے کی خواہش دونوں کو ہونی چاہئے اس لیے کہ یہ صرف اللہ کی توفیق سے ممکن ہے، قوی زیادہ اپنی طاقت پے بھروسہ نہ کرے اور کمزور احساس کمتری کا شکار نہ ہو اور دونوں یہ جان لیں کہ ہوگا وہی جو تقدیر میں لکھا ہے، قضائے الٰہی پر قوت وزور اثر انداز نہیں ہوتی، اس لیے یہ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ اگر میں یہ کر لیتا تو نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ (ضیاء السنن ۲۵۲)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۹

(۱۵) فَإِنْ أَصَابَكَ شيئٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرَ اللّٰهُ وَمَاشَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ "لَوْ" تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ۔

ترجمہ: اگر تم کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو یہ مت کہو کہ کاش میں ایسا کرتا ویسا کرتا، بلکہ یہ کہو کہ اللہ نے مقدر فرما دیا اور اس نے جو چاہا کیا کیوں کہ "لو" کا لفظ شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

اس حدیث سے "لو" کے استعمال کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے جب کہ آپ ؐ سے لو کا استعمال بکثرت ثابت ہے آپ اسکی توجیہ کریں تاکہ یہ تعارض ختم ہو

"لَوْ" کا استعمال ممنوع ہے کراہۃ تنزیہی کے طور پر یہی قول ہے قاضی عیاضؒ، امام نوویؒ اور علامہ سندھیؒ کا، ایسے شخص کے لیے جو اس اعتقاد کیساتھ استعمال کرے کہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

اگر میں ایسا کرلیتا تو ایسا ہوجاتا کیونکہ اس طرح کے تصور سے گویا یہ سمجھنا ہے کہ بندہ کی تدبیر تقدیر پر مقدم ہے اور یہی شیطانی عمل ہے ،قال العلامه السندھی علیہ الرحمۃ؛ لو كلمة للتمني عمل الشيطان أي اعتقادا ان الامر منوط بتدبير العبد وان تدبيره هو المؤثر قيل: النهى للتنزية

البتہ اگر ''لو'' کا استعمال کسی نیکی کے ترک پر افسوس کرنے کے لیے ہوتو اسمیں کوئی حرج نہیں ، اور احادیث میں '' لو'' کے استعمال کو اسی پر محمول کرینگے ،وقال النووی علیہ الرحمۃ النهى عن اطلاقِ ذلك فِيمَا لا فائِدَةَ فيه واما ما قاله تأسفًا على مافاته من طاعة الله تعالى وهو متعذر عليه منها ونحو ذلك فلا بأس به وعليه يحمل اكثر الاستعمال الموجود في الأحاديث۔ (شرح سنن ابن ماجہ ص:۲۱۸)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۹

سوال (۱۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلَمَ وبِيَدِهٖ عُوْدٌ فَنَكَتَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ مَامِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلاَّ وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجنَةِ ومَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ قِيلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَفَلاَ نَتَّكِلُ ؟ قَالَ لاَ اِعْمَلُوْا ولا تَتَّكِلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ۔ ثُمَّ قَرَأَ۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وأَمَّا مَنْ بَخِلَ واسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔ اسناده صحيح

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین کریدر ہے تھے پھر سر اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا ٹھکانہ جنت اور جہنم میں لکھ نہ دیا گیا ہو، عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! پھر ہم اسی پر بھروسہ نہ کر لیں (عمل کی کیا ضرورت ہے) فرمایا نہیں عمل کرتے رہو، اور بھروسہ بالکل نہ کرو، کیونکہ ہر شخص کے لیے وہی عمل میسر ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جس نے اللہ کے لیے دیا اور تقوی اختیار کیا نیز اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم اسکو راحت وسکون کے مقام پر آسانی سے پہنچادیں گے اور جس نے بخل و بے پرواہی کا مظاہرہ کیا اور جس نے تکذیب کی تو ہم اسکو آہستہ آہستہ عذاب و سختی تک پہنچادیں گے۔

شرح الحدیث: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک جنازے کیساتھ ہم بقیع غرقد گیے ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے ہم لوگ بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈنڈا تھا جس سے آپ سر جھکائے ہوئے اس طرح زمین کو کرید رہے تھے کہ گویا کہ آپ کسی اہم معاملہ کے متعلق سوچ وفکر میں ہیں پھر آپ نے سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں لکھا ہوا ہے، یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ: انسان کی ایک ہی منزل ہوسکتی ہے جنت یا جہنم! دونوں میں ٹھکانہ مقرر ہونے کا کیا مطلب ہے بعض علماء نے کہا: کہ اولاً انسان کا مقام دونوں جگہ ہے اب وہ جیسا عمل کریگا اسی اعتبار سے اس کا ٹھکانہ ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ انسان کا اخروی ٹھکانہ بالآخر ایک ہی ہوگا، اور یہاں "واؤ" "أو" کے معنی میں ہے، بہر کیف! آپ ﷺ نے جو فرمایا کہ ہر انسان کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں لکھا ہوا ہے،

Website: NewMadarsa.blogspot.com

صحابہؓ نے اسکو سن کر عرض کیا پھر عمل کی کیا ضرورت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں عمل کرتے رہو یعنی اگر انسان کے لیے خیر مقدم رہے تو اسی کے وسائل و اسباب فراہم کیئے جاتے ہیں اور یہ ان پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر شر مقدر ہے تو اسی کے اسباب فراہم کیے جاتے ہیں اور یہ ان کو کر کے دوزخ کی راہ لیتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنی بات کی تائید میں یہ آیت پڑھی یعنی جس نے زکوۃ وصدقات اور دوسرے مالی حقوق ادا کر کے تقوی کی راہ لی اور قرآن وسنت پر ایمان لایا تو اللہ تعالیٰ اسکو اعمال حسنہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور یہ ان پر عمل پیراں ہو کر جنت کے راستہ پر چلنے لگتا ہے اور کلمہ توحید اور اسکے تقاضے پر عمل نہیں کیا تو ایسا شخص آہستہ آہستہ مصائب وآلام کی جگہ، دوزخ میں جا گریگا۔

القصہ: تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوا یا جو ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہوگا وہ سب ازلی فیصلہ کے مطابق ہے یعنی بحر وبر کی تمام مخلوقات کے احوال انسانوں کی سعادت وشقاوت، رزق وعمل موت واجل، صحت وبیماری، فرحت وغم اور نشاط وچستی سب کچھ پہلے ہی سے مقرر ہے؛ لیکن اس مقام پر آ کر بندے کے جبر واختیار کا سوال کھڑا ہوتا ہے جب تمام امور مقرر اور طے شدہ ہیں کہ ذرا بھی تخلف وانحراف نہیں ہوسکتا تو بندے میں کسب واختیار کہاں رہا وہ تو مجبور محض قرار پایا پھر اس کو مکلف بنانا کہاں تک درست ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ جمادات کی طرح مجبور محض ہے اور نہ ہی اسکو مطلق اختیار ہے بلکہ جبر واختیار کے درمیان ایک منزل کسب کی ہے جسمیں بندے کے ارادے کو دخل ہوتا ہے گرچہ یہ ارادہ کمزور سہی، لیکن بہر حال وہ جزاء وسزاء کے ترتب کی صلاحیت رکھتا ہے (۲) کاتب تقدیر نے انسانوں کو کچھ اختیارات بھی دیے ہیں یعنی اس کے

سامنے دونوں راستے نیکی و بدی کو کھول کر رکھ دیا ہے، چاہے وہ نیکی کے راستے پر چل کر کامیابی وکامرانی کی منزل طے کرے یا پھر بدی کے راستہ پر چل کر دنیا وآخرت کے خسران ونقصان کو خریدے دونوں راستوں کے فوائد ونقصانات نگاہوں کے سامنے کردیے کہ نیکی کا راستہ جنت ہے اور بدی کا راستہ دوزخ ہے؛ لہٰذا جو چاہے اختیار کرلے۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۰

سوال (۱۷) عَنْ سُرَاقَةَ بنِ جُعْشُمٍ، قَالَ قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! الْعَمَلُ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ أَمْ فِي أَمْرٍ مُسْتَقْبَلٍ؟ قَالَ: بَلْ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ، وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ، وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ۔

سراقہ بن جعشم سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ عمل بھی ان چیزوں میں ہے جن پر قلم خشک ہوگیا اور وہ تقدیر بن گئی یا وہ امر مستقبل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں وہ ان چیزوں میں سے جن کو قلم نے لکھ دیا اور وہ تقدیر بن گئی اور ہر شخص کے لیے وہی اسباب فراہم ہیں جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

مصنفؒ نے یہ حدیث کس باب کے تحت ذکر کی ہے؟

مصنفؒ نے اس کو باب فی القدر۔ کے تحت ذکر کیا ہے۔

حدیث میں مذکور سوال وجواب کی تشفی بخش تشریح کریں

سوال: حضرت سراقہ بن جعشمؓ نے معلوم کیا یا رسول اللہ! ہم جو اچھے یا برے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اعمال کرتے ہیں ان کا تعلق ان چیزوں سے جن کو قلم نے لکھ دیا، یا ان چیزوں میں سے ہے جن کو قلم نے نہیں لکھا ہے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تمام اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے انکا تعلق ان چیزوں سے ہیں جن کو قلم نے لکھ دیا ہے، خلاصہ یہ ہے، کہ اعمال مکتوب ہوتے ہیں یعنی لوح محفوظ میں ایک ایک چیز لکھی ہے اس لیے ہوا میں اڑنے والے ایک ذرے اور آسمان سے ٹپکنے والے ایک قطرے کو بھی ہم غیر مکتوب نہیں کہہ سکتے۔

كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ کا مطلب تحریر کریں: ۔ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا ٹھکانہ جنت اور جہنم میں لکھ نہ دیا گیا ہو، صحابہؓ نے عرض کیا پھر عمل کی کیا ضرورت ہے فرمایا نہیں عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لیے وہی عمل میسر کیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، علامہ کشمیریؒ نے حضور ﷺ کے اس جوابی ارشاد پر بہت محققانہ گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں تو صاحب اختیار ہے جب کہ عالم غیب میں مجبور ہے اس لیے اختیار وکسب کی دنیا میں شر سے بچ کر خیر اختیار کرو کیونکہ خیر میں سبقت کرنے والے سے شر کا صدور نہیں ہوتا اور شر میں سبقت کرنے والے سے خیر کا ظہور مشکل ہے، فطرتاً سعید شخص کے لیے اعمال صالحہ کو آسان ومرغوب کر دیا جاتا ہے اور شقی خود بخود بری باتوں میں الجھ جاتا ہے یعنی اگر انسان کے لیے خیر مقدر ہے تو اسی کے وسائل واسباب فراہم کر دیے جاتے ہیں اور یہ ان پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر شر مقدر ہے تو اس کے اسباب فراہم کیے جائیں گے اور وہ ان میں مبتلا ہو کر جہنم تک پہنچ جاتا ہے اور ملا علی قاریؒ نے ''كُلٌّ مُيَسَّرٌ'' کے متعلق جو لکھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے تقدیر الٰہی کی بدولت بندوں کی تکلیف باطل نہیں ہوتی وہ اب بھی محنت وعمل کے مکلف ہیں، کیونکہ ایک انسان جنت یا جہنم جس کے لیے

پیدا کیا گیا ہے عمل کی راہیں خود بخود اس سمت ہموار ہوجائیں گی اور وہ ان پر گامزن ہوکر اپنی منزل پر پہنچے گا تو اسطرح عمل سعادت وشقاوت کی علامت ہوا، ان کا سبب نہیں۔
(ضیاء السنن ص ۲۴۹)

آیت کریمہ (فأما من أعطی تا للعسری) (جس کا دوسری روایت میں ذکر ہے) سے حدیث کے مضمون کی کس طرح تائید ہوتی ہے؟

حدیث کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر انسان کے لیے خیر مقدر ہے تو اسی کے وسائل واسباب فراہم کردئے جاتے ہیں اور یہ ان پر عمل کرکے جنت میں داخل ہوجاتا ہے اور اگر شر مقدر ہے تو اسی کے اسباب فراہم کیے جاتے ہیں اور وہ ان کو کرکے جہنم تک پہنچ جاتا ہے اور یہ ہی مضمون آیت کے اندر ہے یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال دیا، تقوی اختیار کیا اور توحید ورسالت کو سچا جانا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لیے آسانی کی جگہ (جنت) اور اسکے اعمال میسر کردیں گے اور جس نے راہ خداوندی میں خرچ کرنے سے بخل کیا اور دنیاوی خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہ کر آخرت کی نعمتوں سے بے پرواہ ہوگیا اور اچھی بات یعنی توحید ورسالت کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لیے دوزخ میں لے جانے والے اعمال میسر کردیں گے اس طرح آیت کریمہ سے حدیث شریف کے مضمون کی تائید ہوئی، فافھم۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:۱۱

سوال (۱۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَا عُثْمَانُ! إِنْ وَلَّاکَ اللّٰہُ هٰذَا الْأَمْرَ یَوْمًا، فَأَرَادَکَ الْمُنَافِقُوْنَ أَنْ تَخْلَعَ قَمِیْصَکَ الَّذِیْ قَمَّصَکَ اللّٰہُ فَلَا تَخْلَعْهُ یَقُوْلُ ذٰلِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ النُّعْمَانُ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا مَنَعَکِ أَنْ تُعْلِمِی النَّاسَ بِهٰذَا؟ قَالَتْ أُنْسِیْتُهُ۔ اسنادہ ضعیف

ترجمہ: فرمایا اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ کبھی تمہیں خلافت سے نوازیں اور منافق یہ چاہیں کہ تمہاری اس قمیص کو اتاریں جو تم کو اللہ نے پہنائی تو تم اسے مت اتارنا، یہ بات آپ ؐ نے تین مرتبہ فرمائی، نعمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے کہا آپ نے یہ بات اس وقت لوگوں سے کیوں نہ بتلائی انہوں نے فرمایا یہ چیز مجھے بھلادی گئی تھی۔

شرح الحدیث: اس حدیث میں حضرت عثمان ؓ کے ساتھ پیش آنیوالے فتنہ کا تذکرہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے کہ جب منافقین تم کو خلافت سے معزول کرنا چاہیں تو تم از خود دستبردار مت ہونا کیونکہ حق تمہارے ساتھ ہوگا، اسی وصیت کی بناء پر آپ ؓ نے شہادت تو حاصل کرلی لیکن فرمان رسالت کی خلاف ورزی نہیں کی۔

قمیص سے کیا مراد ہے:

أَرَادَ مِنَ الْقَمِیْصِ، الْخِلَافَةُ وهو احسنُ الاستعاراتِ (بین السطور ابن ماجہ ص ۱۱)

حضرت عائشہ ؓ سے یہ سوال (مَا مَنَعَکِ الخ) کس وقت کیا گیا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

ابن ماجہ: ۱۲

سوال (۱۹) عَنْ عَبَادِ بنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ أَنَا عَبْدُ اللهِ وَ أَخُو رَسُوْلِهِ صلی اللہ علیہ وسلَمَ وَ أَنَا الصِّدِّيْقُ الْأَكْبَرُ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ إِلَّا كَذَّابٌ صَلَّيْتُ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِيْنَ

میں اللہ کا بندہ اور اسکے رسول کا بھائی ہوں، میں صدیق اکبر ہوں اس کو میرے بعد صرف کذاب ہی کہے گا میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی۔

شرح الحدیث: یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور صدیق یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب ہے اور علماء اسلام عام طور پر صدیق کو حضرت ابوبکرؓ کے لیے خاص کرتے ہیں اس حدیث میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں صدیق اکبر ہوں جو جمہور کے استعمال کے خلاف ہے اس لیے علماء کرام نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں، چنانچہ بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے خود کو صدیق اکبر اس لیے کہا کہ آپ کو اپنی حق گوئی پر کلی اعتماد تھا اور بعض نے فرمایا کہ چوں کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام قبول کیا ہے اس لیے آپ نے اپنے کو صدیق اکبر کہا جو اپنی جگہ بالکل درست ہے، بعض حضرات نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول بَعْدِيْ إِلَّا كَذَّابٌ سے ابوبکرؓ مستثنی ہیں، و اللہ أعلم أنه أستثنى بقوله (بعدى) أبابكر لأن الصديقية الكُبرى حَصلت لهُمَا: لأنهمَا آمنًا برسولِ الله ﷺ بِمُجَرَّدِ نزولِ الوحيِ لكن الصديق كان عاقلاً

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

بالغًا و علی رضی اللہ عنہ کان صبیًا۔

خلاصہ یہ ہے جمہور امت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر اس لیے مانتے ہیں کہ وہ روایت بالکل درست ہے اور یہ حدیث شیعی ذہن کی پیداوار ہے اس لیے اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے ابن الجوزی نے اسے موضوع کہا ہے، اسنادہ ضَعِیف و متنہ باطِلٌ

(شرح سنن ابن ماجہ ص ۲۷۳)

صلیت قبل الناس: بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ فرضیت نماز سے قبل سات سال نماز پڑھی اور بعض نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بچپن میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ان کے ہم عمروں میں سے اکثر وہ ہیں جنہوں نے کم و بیش سات سال بعد اسلام قبول کیا تو اس اعتبار سے آپ نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی۔

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ علی الاطلاق سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ علی الاطلاق سب سے پہلے اسلام نہیں لائے ہیں بلکہ سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائی ان کے بعد حضرت علیؓ ان کے بعد زید بن حارثہؓ پھر حضرت ابو بکرؓ (مختصر سیرت نبوی ص ۶۲) المسمی سیرت ابن ہشام)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۲

سوال(۲۰):عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ :أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم في حَجَّتِهِ الَّتِيْ حَجَّ ـفَنَزَلَ فِيْ بَعْضِ الطَّرِيْقِ فَأَمَرَ الصَّلَاةَ جَامِعَةً فَأَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ: أَلَسْتُ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا: بَلٰى۔ قَالَ أَلَسْتُ أَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ؟ قَالُوْا: بَلٰى قَالَ فَهٰذَا وَلِيُّ مَنْ أَنَا مَوْلَاهُ اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، اللّٰهم عَادِ مَنْ عَادَاهُ۔من الحدیث صحیح

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں: کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے اس حج میں رفاقت کی جو آپ نے کیا، پھر حضرت نے ایک جگہ قیام فرما کر نماز باجماعت کا حکم دیا، اور حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کیا میں مومنوں کے نزدیک ان کی جانوں سے زیادہ محبوب نہیں ہوں، صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ نے پھر فرمایا کیا میں ہر مومن کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہوں؟ حاضرین نے کہا کیوں نہیں؟ تو آپ نے فرمایا یہ بھی ہر اس شخص کا محبوب ہے جس کا میں محبوب ہوں، مولائے کریم اسے اپنا محبوب بنالے جو علی رضی اللہ عنہ کو محبوب بنائے، اور اسے دھتکار دے جو علیؓ سے دشمنی کرے۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حجۃ الوداع سے قبل آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کا امیر بنا کر دعوت اسلام کے لیے یمن کے کسی قبیلہ کی طرف بھیجا، قبیلہ نے دعوت قبول نہیں کی، چنانچہ جنگ ہوئی اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا،

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

خالد بن ولیدؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ کسی کو مال غنیمت کا خمس لینے کے لیے روانہ کر دیجیے تاکہ باقی چار اخماس فوجیوں میں تقسیم کیے جاسکیں آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو یمن کے کسی دوسرے قبیلہ کی طرف امیر بنا کر بھیجا، اور ان کو یہ ذمہ داری بھی سونپی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حاصل کردہ مال غنیمت میں سے خمس وصول کریں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خمس نکالا، اس میں ایک باندی بھی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس باندی کو اپنے لیے منتخب کرلیا اور رات میں اس سے صحبت بھی کی، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو اس واقعہ سے ناگواری ہوئی، اور یہ دو وجہ سے ہوئی، ایک یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خمس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر باندی لی، دوم استبراء کے بغیر صحبت کی، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ شکایت لکھ کر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا، آپ نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے کہا جو علی رضی اللہ عنہ نے لیا ہے وہ اس سے زیادہ کے مستحق ہیں، کیونکہ خمس میں ذوی القربی کا بھی حصہ ہوتا ہے اور علی رضی اللہ عنہ ذوی القربی میں شامل ہیں؛ رہا دوسرا اعتراض تو اسکا جواب یہ دیا گیا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کنواری باندی سے وطی کرنے کے لیے استبراء رحم ضروری نہ ہوگا، یا قید میں آنے کے بعد صرف حیض کا آنا کافی ہوگا، غنیمت حاصل ہونے کے کئی دن بعد خمس نکالا گیا تھا، ہوسکتا ہے اس دوران حیض آگیا ہو۔ اس وقت یعنی جب حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر پہونچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج ادا فرما رہے تھے، پھر جب آپ نے حج کی تکمیل کی اور مدینہ کا قصد کیا تو راستہ میں ایک جگہ ''غدیر خم'' پر یہ خطبہ دیا جو کہ حدیث میں مذکور ہے، یہ واقعہ غدیر خم کے نام سے مشہور ہے۔

(تحفۃ القاری ج:۸ ص:۴۳۸، بخاری شریف ج:۲ ص:۶۲۳)

کیا اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ممکن ہے؟ روافض کے استدلال کا طریقہ اور اہل سنت کا جواب مفصل لکھیے۔

اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلا فصل ثابت کرنا صحیح نہیں ہے مگر روافض کرتے ہیں وہ اس طرح کہ ''من کنتُ مَوْلاہُ فعليٌ مولاہ'' الخ کا وہ ترجمہ کرتے ہیں کہ میں جس کا حاکم ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے حاکم ہیں یعنی میرے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلا فصل ہونا متعین ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت و تعلق رکھنے کی تاکید کرنا ہے نہ کہ خلیفہ بنانا اس کا قرینہ اگلا جملہ ''وعَادِ مَنْ عَادَاہُ'' ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں سے عداوت رکھنے کی بات کہی گئی ہے، اور دشمنی کے مقابلہ میں دوستی آتی ہے خلافت نہیں آتی، لہٰذا ''اللھم وَالِ'' کا ترجمہ دوست و محبت ہوگا نہ کہ حاکم و خلیفہ، مگر شیعوں کی عقل پر ماتم کیجیے کہ اس حدیث سے خلیفہ بلا فصل کا مفہوم نکال لیا اور محبت کو دلیلِ خلافت بنا دیا، اس حدیث کا مطلب اگر خلافت بلا فصل لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ جب سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دست حق پر تمام صحابۂ کرام نے بعیت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم نے اس حدیث کو کیوں پیش نہیں کیا؟ معلوم ہوا کہ اہل بیت بھی یہ ہی معنی سمجھتے تھے یعنی حدیث میں صرف محبت اہل بیت کا حکم ہے ورنہ وہ اسکے خلاف آواز اٹھاتے۔

(شیعت کا تعارف ص:۳۶)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:۱۲

سوال(۲۱) عَنْ سَعْدِ بنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ ،قال قَدِمَ مُعَاوِيَةُ فِيْ بَعْضِ حَجَاتِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ سَعْدٌ، فَذَكَرُوْا عَلِيًّا فَنَالَ مِنْهُ، فَغَضِبَ سَعْدٌ، وَقَالَ :تَقُوْلُ هٰذا لِرَجُلٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: مَنْ كُنْتُ مَوْلاَهُ فَعَلِيٌّ مَوْلاَهُ: وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ أَنتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسىٰ إِلاَّ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ اَلْيَوْمَ رَجُلاً يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ۔ اسنادہ صحیح

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے کسی حج سے تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چھیڑ دیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی کوئی جملہ کہہ دیا جس پر حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور فرمایا تم یہ باتیں ایک ایسے شخص کے بارے میں کہہ رہے ہو جس کے بارے میں، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا دوست میں ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اسکے دوست ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! تم میرے نزدیک ایسے ہی ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے لیے تھے مگر فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ آج میں علَم ایسے آدمی کو دونگا جو اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے۔

امیر معاویہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہا تھا جسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ "نَالَ مِنْهُ" کہہ رہے ہیں

"نَالَ" کا صلہ جب "مِنْ" آتا ہے تو اسکے معنی ہوتے ہیں گالی دینا عیب لگانا

اور ''مسلم'' کی حدیث میں واضح ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دو اور برا بھلا کہو؛ لیکن راسخین فی العلم نے اسکی تاویل کی ہے، چنانچہ امام نووی ؒ مسلم کی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو گالی دینے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کو گالی نہ دینے کی وجہ معلوم کی کہ تم ان کو احتیاطا گالی نہیں دیتے یا کوئی خوف وغیرہ ہے اگر اسکا سبب احتیاط اور آپ ؓ کا احترام ہے تو تمہارا موقف درست ہے اگر کوئی اور بات ہے تو ہم اسکے جواب کے لیے حاضر ہیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کی جلالت شان رفیع مرتبت جو میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے وہ مجھے لب کشائی سے روک رہی ہے پھر حضرت سعد ؓ نے وہ تینوں باتیں بیان فرمائی جو حدیث میں مذکور ہیں؛
علامہ سندھی ؒ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ ''نَالَ'' کا صلہ جب ''مِنۡ'' آتا ہے اسکے معنی ہوتے ہیں گالی کے، لیکن یہاں صحابی سے حسن ظن کی بنیاد پر یہ معنی مراد نہ لیکر اسکو غلطی کی نشان دہی پر محمول کرینگے، یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی غلطی کی طرف اشارہ کیا اسی کو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ ''نَالَ مِنۡه'' کہہ رہے ہیں۔ واللہ اعلم

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مولی کی مراد متعین کریں

حضرت الاستاذ مفتی اسعد قاسم سنبھلی نے مولا کے اکیس معنی لکھے ہیں اور اس جگہ محبوب، ولی، عزیز، ناصر اور قابل تعظیم کے معنی مراد ہیں

روایت میں ذکر کردہ تینوں فضائل کی تفصیل لکھیے

(۱)۔۔۔ مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوۡلَاہُ اسکی مکمل تشریح سوال نمبر ۲۰ میں گزر چکی ہے۔

(۲) ـــ أَنتَ مني بمنزلةِ هٰرُونَ الخ یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کی دلجوئی میں ارشاد فرمائے غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ) کے موقع پر، پس منظر اس کا یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؓ کو اپنے اہل وعیال کی خبر گیری وحفاظت کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا اس پر منافقین نے طعنہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے قدر اور بے حیثیت جان کہ تمہیں مدینہ میں چھوڑ دیا ہے حضرت علیؓ نے یہ طعنہ سن کر بڑی غیرت محسوس کی اور اسی وقت اسلحہ سے لیس ہو کر مدینہ سے چل پڑے مدینہ سے تین میل دوری پر شام کی سمت میں جرف کے مقام پر آپ کا قیام تھا وہیں ملاقات ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس افواہ کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں میں نے تم کو اہل وعیال کی نگرانی کے لیے چھوڑا ہے تم میرے قائم مقام رہو اور لوٹ جاؤ کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ تم میرے نزدیک ویسے ہو جیسے حضرت موسی علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام؛ یعنی جب حضرت موسی علیہ السلام اعتکاف کے لیے کوہِ طور تشریف لے گئے تو آپؑ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا تھا، جیسا کہ سورۂ اعراف میں، وَقَالَ مُوسٰی لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ۔

(۳) لأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ اليومَ رجُلاً الخ۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فوج لیکر خیبر کی طرف روانہ ہوئے مجاہدین کی کل تعداد چودہ سو تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے قلعوں پر حملہ کی ٹھان لی اور یکے بعد دیگر قلع فتح کرتے گئے، سب سے پہلے جو قلعہ فتح ہوا اسکا نام "نَاعِمْ" تھا یہیں حضرت محمود بن سلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے؛ لیکن قموص نامی قلعہ فتح نہ ہوسکا، حضرت سلمہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کے ایک قلعہ "قموص" کی مہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر بھیجا مگر قلعہ فتح نہ ہوا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے لیکن اب بھی کامیابی نہیں ملی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل علم جہاد ایسے شخص کو دیا جایے گا جو خدا اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے، اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دیگا وہ بھاگنے اور فرار اختیار کرنے والا نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ دیکھیے وہ کون خوش قسمت آدمی ہے جس کو کل علم جہاد ملے گا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا انکو آشوب چشم کی تکلیف بھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگا دیا پھر کہا یہ جھنڈا لو! اور لیکر جاؤ؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو فتح سے ہم کنار کردے، حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور قلعہ کے نیچے کے ڈھیر میں جھنڈا نصب کردیا ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سے دریافت کیا تم کون ہو؟ آپ نے کہا علی ابن ابی طالب اس نے جواب دیا؛ اس کتاب کی قسم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تم غالب آگئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی۔

(مختصر سیرت ص ٢٠٦)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:۱۵

سوال (۲۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلَّمَ يَخرُجُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الأَحْلَامِ، يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيرِ قَوْلِ النَّاسِ، يَقْرَأُوْنَ القُرْآنَ لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقونَ مِنَ الإسلاَمِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ فَمَنْ لَقِيَهُمْ فَلْيَقْتُلْهُمْ فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ عِنْدَ اللهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ۔ اسناده حسن.

فرمایا آخری زمانے میں کچھ لوگ نکلیں گے جو نوعمر اور بے وقوف ہونگے وہ لوگوں میں سب سے عمدہ بول بولیں گے قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اتریگا وہ اسلام سے اس طرح نکل جائنگے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو جو مسلمان بھی ان کو پائے وہ ان کو قتل کردے کیونکہ ان کے قتل پر اللہ کے یہاں اس شخص کے لیے اجر ہے جس نے ان کو قتل کیا۔

خوارج کا مقصداق کون لوگ ہیں؟

خوارج کی اکثریت عربوں پر مشتمل تھی، غلام ان میں بہت کم تھے ان کی اکثریت ربعی قبائل سے تعلق رکھتی ہے۔ (حیات حضرت امام ابوحنیفہ ص: ۱۷۳)

کس گمراہ جماعت کا اس حدیث میں تذکرہ ہے؟

انماھم الخوارج. (ترمذی ۲/ ۴۲)

حدیث میں جوان کے قتل پر قاتل کے لیے ثواب کا وعدہ ہے اسکی وجہ کیا ہے؟

قال ابن هبیرہ علیہ الرحمۃ ان قتال الخوارج أولی من قتال المشر
والحکمة فیه ان فی قتالهم حفظ رأس مال الاسلام وفي قتال أهل ا ک
طلب الربح وحفظ رأس المال أولی (شرح سنن ابن ماجہ ص ۳۲۰)

خوارج کا خروج کب ہوا؟

خوارج کا ظہور اور ان سے قتل وقتال حضرت علیؓ کے آخری دور خلافت میں مقام
نہروان میں ہوا جو ۳۸ھ کا واقعہ ہے، کہا گیا ۳۷ھ میں ہوا (تکمیل الحاجہ ۳۶۸)

فی آخِرِ الزمان کا کیا مطلب ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ اس سے صحابہ کرامؓ کا آخری زمانہ مراد ہے، لیکن راجح یہ ہے
کہ اس سے خلافت راشدہ کا آخری زمانہ مراد ہے (ضیاء السنن ۴۴۰)

وضاحت:

خوارج اپنے عقائد وافکار کے دفاع ان کی حمیت اور تدوین میں تمام اسلامی
فرقوں سے زیادہ سخت تھے لاحکم الا اللہ کے الفاظ ہر آن ان کے سامنے پیش نظر رہتے
یہی ان کا دین اور نعرہ تھا جس کے ذریعہ مخالفین پر آوازیں کستے اور بات کو ختم کر کے رکھ
دیتے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشغول گفتگو دیکھتے تو یہی نعرہ لگاتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
جب بار بار ان کا یہ نعرہ سنا تو فرمایا یہ سچی بات ہے جس کو غلط معنی پہنا دیا گیا (کلمةُ حَقٍ
أُرِیدَ بِهَا البَاطِلُ) بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں خوارج کے فتنے کی پیشین
گوئی فرمائی ہے جو نوعمر، بیوقوف فسادی، سنگدل اور دعوت وترغیب میں تلوار کا استعمال
کرنے والے جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے، نیز قرآنی آیات کی غلط تاویلیں

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

کرتے اوراس سے اپنے عقائدونظریات پر استدلال کرتے "یَقْرَأُوْنَ القرآن" سے اسی طرف اشارہ ہے۔

لا یُجَاوِزُ تراقیھم: مطلب یہ ہے کہ خوارج بنیادی طور پر گمراہی میں مبتلا ہوں گے اورقرآن کومحض آلۂ کار کے طور پر استعمال کرینگے، جس کی وجہ سے قرآن کی کوئی آیت ان کے دل پر اثر انداز نہ ہوگی، دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی قرات اور حسن صوت کواس دنیا سے اوپر نہیں اٹھایا جائیگا یعنی قبول نہیں کیا جائے گا۔

یَمْرُقُوْنَ من الإسلام: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی تیر شکار میں بہت جلدی پیوست ہوکر نکل جانے کی وجہ سے وہ تیر خون آلودنہیں ہوتا اسی طرح یہ لوگ امام وقت اور اسلام کے احکام کی تعلیمات سے نکل جائے گے، بغاوت، ظلم، شرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے، بظاہر یہ الفاظ خوارج کے ا تداد کا فیصلہ کرتے ہیں لیکن محققین نے انہیں شدت اور تغلیظ پر محمول کیا ہے اور خوارج پر کسی نے کفر کا فتوی نہیں لگایا البتہ بدعتی اور باغی ہیں بالاتفاق، جب یہ امام پر خروج کر کے جماعت سے الگ ہوجائیں اور اطاعت کا قلادہ اتار پھینکیں تو تنبیہ اور موقف کی صفائی کے بعد نہ ماننے کی صورت میں ان سے قتال واجب ہے۔(مزید تفصیل کے لئے تکمیل الادب شرح نفحۃ العرب دیکھوص ۷۷)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۵

سوال (۲۳) عَنْ جَرِيْرِ بنِ عَبْدِاللّٰہِ البَجَلِيِ قَالَ مَا حَجَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلاَ رَآنِی إلاَّ تَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِيْ وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِی لاَ أَثْبتُ عَلَى الخَيلِ فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِیْ صَدْرِیْ فَقَالَ: اللهُمَّ ثَبِّتْهُ واجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيًّا۔ اسنادہ صحیح

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سے میں نے اسلام قبول کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی چیز سے نہیں روکا اور مجھے جب بھی دیکھا تبسم فرمایا؛ میں نے شکایت کی کہ میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مار کر کہا اے اللہ اسے ہادی اور مہدی بنا دے۔

وضاحت:

اس حدیث میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غایت درجہ تعلق کو بیان فرمایا ہے حضرت جریر رضی اللہ عنہ شاہی خاندان کے فرد اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے راجح قول کے مطابق رمضان ۱۰ھ میں وہ ایمان لائے اور بیعت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ بڑے اکرام کا معاملہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت یمن میں تھے یہ نہایت حسین وجمیل تھے حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں "یوسف هذه الأمة" کہا کرتے تھے، ۵۴ھ میں ان کی وفات ہوئی (حاشیہ ابن ماجہ ص ۱۰)

ما حَجَبَنِيْ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلَّم کی وضاحت کیجیے

حضرت جریر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کبھی اپنی ملاقات سے محروم نہیں کیا۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زنان خانے

Website:NewMadarsa.blogspot.com

میں بھی آنے سے نہیں روکتے تھے، ابن حجرؒ اس قول کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ: إِذَا كَانَ فِي بَيْتِهِ فَاسْتَأْذَنْتُ عليه، یعنی عمومی مجلس میں ملاقات کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں ہوتے تو داخلے کی اجازت لیتا، حضرت گنگوہیؒ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مردوں کی مجلس میں تو آپ مجھے روکتے ہی نہ تھے اور اگر آپ گھر میں ہوتے تو ازواج کو پردہ کرا کر مجھے داخلے کی اجازت دے دیتے یا بنفس نفیس باہر تشریف لے آتے؛ مولانا عبد الغنی دہلویؒ نے ۔۔۔ "مِنْ أَعْطَاءِ طَلَبِهِ" کا اضافہ کیا ہے یعنی حضرت جریرؓ نے جو چیز بھی مانگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی منع نہیں کیا اور ہمیشہ ہی ان کے ساتھ بڑی فرحت ومحبت کا معاملہ فرمایا۔ (ضیاء السنن ۴۱۹)

اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا: فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں طرف بت شکن دستے روانہ فرمائے جنہوں نے عرب کے تمام مندروں کو ڈھا کر شرک کی جڑ کاٹ دی لیکن یمن کا ذی الخلصہ نامی صنم کدہ پھر بھی باقی رہا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جریرؓ سے فرمایا: تم ذی الخلصہ کو تباہ کر کے مجھے آرام کیوں نہیں دیتے، اس کو یمن کا کعبہ بھی کہا جاتا تھا، حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ چلا اور ان سب کے پاس گھوڑے تھے اور میرے پاؤں گھوڑے پر جمتے نہ تھے جسکی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی آنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کا نشان اپنے سینہ پر دیکھا اور آپ نے اس وقت یہ دعا دی اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا اسکے بعد یہ حضرات وہاں گئے اور اس بت کدہ کو توڑ کر جلا دیا۔ (مختصر صحیح بخاری ۲ ص: ۸۶)

ہادی اور مہدی میں کیا فرق ہے؟

ہادی کہتے ہیں دین کے رہبر کو، اور مہدی کہتے ہیں ہدایت یافتہ شخص کو۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

ابن ماجہ:۱۶

سوال (۲۴) عن أَبِي رَزِيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قلتُ: يَا رسولَ اللّٰهِ! أَنَرى اللّٰہ تعالیٰ يومَ القِيَامَةِ؟ ومَا آيةُ ذٰلِكَ فِي خَلْقِهٖ؟ قَالَ: يَا أَبَا رَزِيْنٍ! أَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ مُخْلِيًا بِهٖ؟ قال قلتُ: بَلٰى، قَالَ: فاللّٰهُ أَعْظَمُ وَ ذٰلِكَ آيَةٌ فِي خَلْقِهٖ۔ سنده ضعيف

حضرت ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے معلوم کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور مخلوق میں اسکی نشانی کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا اے ابورزین! کیا تم چاند کو صاف طور پر نہیں دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تو بہت بڑا ہے اور وہ مخلوق میں اس کی علامت ہے۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۶

سوال (۲۵) عن أَبِي سعيدٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰه أَ نَرى رَبَّنَا؟ قَالَ تَضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِي الظَّهِيْرَةِ فِيْ غَيْرِ سَحَابٍ قُلْنَا: لَا قَالَ فَتَضَارُّوْنَ فِيْ رُؤيَةِ القَمَرِ لَيْلَةَ البَدْرِ فِي غَيْرِ سَحَابٍ قَالُوْا: لَا: قَالَ إِنَّكم لاَ تَضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهٖ إِلَّا كَمَا تَضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهِمَا۔ هذا اسناد غير محفوظ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کیا تم دوپہر کے وقت جب آسمان میں بادل نہ ہو

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سورج کے دیکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا نہیں، پھر آپ نے فرمایا کیا تم چودہویں رات میں جب کہ آسمان پر بادل نہ ہو چاند کے دیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس کرتے ہو؟ صحابہؓ نے کہا: نہیں پھر آپ نے فرمایا بیشک تم لوگ اپنے پروردگار کے دیدار میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرو گے، جس طرح تم لوگ سورج اور چاند کے دیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے ہو۔

وضاحت:

جمہور اہل السنة والجماعة کے نزدیک دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے یہ بات محقق و مدلل ہے کہ مومنین کو آخرت میں دیدار الٰہی نصیب ہوگا، حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے چودہویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم یقینا بہت جلد اپنے رب کو ایسے ہی دیکھو گے یعنی جس طرح بنا مشقت کے تم چاند کو دیکھ رہے ہو اسی طرح بلا کسی پریشانی کے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ کو دیکھو گے، رویت باری تعالیٰ کے مضمون کی احادیث کو امام نوویؒ کی تصریح کے مطابق بیس صحابہ نے نقل کیا ہے جو تواتر سے بھی اوپر کا درجہ ہے کیونکہ امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث کو اگر دس صحابہ بھی روایت کردیں تو وہ متواتر ہوجاتی ہے اس لیے رویت باری پر اہل حق کا اجماع ہے کیونکہ یہ قرآن وحدیث سے مدلل ہے اور رہا یہ مسئلہ کہ رویت باری دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں دیدار خداوندی ممکن تو ہے مگر اس کا وقوع نہیں ہوا۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں، معتزلہ خوارج جہمیہ وغیرہ علی الاطلاق رویت باری کا انکار کرتے ہیں ان کی عقل پر ماتم کیجیے کہ قرآن وحدیث اور اجماع سے دست بردار ہوکر محض عقلی دلائل کو لیکر رویت باری کا انکار کربیٹھے

کہ نادانوں نے مغیبات کو موجود پر قیاس کر لیا اور دنیا و آخرت کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا۔ علامہ تفتازانیؒ کے اس جملہ نے ''قیاسُ الغائبِ علی الشّاھدِ فاسدٌ'' نے ان کے دلائل کی ایسی دھجیاں اڑائیں کہ ان کے دلائل کا شیش محل دھڑام سے گر پڑا۔

تضامون: بضم التاء و تخفیف المیم من الضیم و هو الظلم أی قال ابن حجر علیہ الرحمۃ و هو الاکثر۔ لا یظلم بعضکم ببعض بالتکذیب و الانکار۔ وفي نسخة بفتح التاء و تشدید المیم من التضام بمعنی التزاحم۔

(شرح سنن ابن ماجہ ص:۲۴۱)

تم الجواب بعون اللہ تعالی

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۶

سوال (۲۶) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تَضَامُّونَ فِيْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قَالُوْا: لَا، قال فَكَذٰلِکَ لَا تَضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ اسنادہ ضعیف

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چودھویں رات میں چاند کے دیکھنے میں کوئی مشقت محسوس کرتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اسی طرح تم لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے دیدار میں کوئی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں کرو گے۔

زیر بحث مسئلہ میں اہل حق اور معتزلہ کا اختلاف مع دلائل

اہل حق کے نزدیک: رویت باری آخرت میں یقینی اور دنیا میں ممکن ہے مگر دنیا

Website:MadarseWale.blogspot.com

میں اس کا وقوع نہیں ہوا، کیونکہ ان مادی آنکھوں میں اتنی صلاحیت نہیں کہ کوئی انسان دنیا میں ان سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔

معتزلہ، خوارج اور جہمیہ کے نزدیک: رویت باری دنیا وآخرت دونوں میں ممکن نہیں؛ سرسید احمد خاں کا بھی یہی عقیدہ تھا۔

دلائل اہل حق:

(۱) سوال میں مذکور حدیث

(۲) وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ إِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَۃٌ۔ (اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہونگے اور اپنے رب کو دیکھیں گے۔

(۳) رَبِّ أَرِنِيْ اَنْظُرْ إِلَیْکَ: (میرے رب! آپ مجھے دکھایئے کہ میں آپ کی طرف دیکھوں) یہ حضرت موسی علیہ السلام کا مطالبہ ہے اور نبی کسی ناممکن شی کا مطالبہ نہیں کرتا؛ یہ آیت رویت باری کے دنیا میں ممکن ہونے پر صریح ہے۔

معتزلہ کے دلائل:

(۱) لَاتُدْرِکُهُ الأَبْصَارُ: (اس کا ادراک نہیں کرسکتی آنکھیں) اسکا جواب یہ ہے کہ "تدرک" تحیط کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ نگاہیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور اسکے ہم بھی قائل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے یہ آیت رویت باری کے منافی نہیں اس لیے کہ اس میں احاطہ کی نفی کرنا مقصود ہے کہ ہماری یہ آنکھیں ذات باری کا احاطہ نہیں کرسکتیں، البتہ انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرسکتی ہیں (قصص القرآن ص ۴۸۰)

(۲) کسی بھی چیز کی رویت کے لیے چند شرائط ہوتی ہیں (۱) وہ چیز زیادہ دور نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت دور ہے (۲) وہ چیز زیادہ قریب بھی نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ بہت قریب ہے (وإذا سئلک عبادی عنی فإني قریب) (۳) وہ شئ مکان یا جہت میں ہو اور ا

اللہ تعالیٰ جہت ومکان میں ہونے سے پاک ہے، وما إلی ذلک (شرح عقائد ص ۷۳)

جواب: یہ تمام شرائط عادیہ ہیں لازمہ نہیں، اس لیے ان کے بغیر بھی رویت ہوسکتی ہے۔ دوسرا جواب: قِیاسُ الغائبِ علی الشاھدِ فَاسِدٌ۔ (شرح عقائد) غائب اللہ کی ذات کو اس عالم محسوس کی موجودات پر قیاس کرنا باطل ہے، یعنی مغیبات کو موجودات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۶

سوال (۲۷) عَنْ وَكِيعِ بْنِ حُدُسٍ عَنْ أَبِیْ رَزِیْنٍ؛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلَّمَ ضَحِکَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوْطِ عِبَادِهٖ وَقُرْبِ غِیَرِهٖ، قَالَ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللهِ! أَوَیَضْحَکُ الرَّبُ قَالَ نَعَمْ۔ قُلْتُ: لَنْ نَعْدِمَ مِنْ رَبٍّ یَضْحَکُ خَیْرًا۔ اسنادہ ضعیف

فرمایا ہمارا رب اپنے بندوں کی مایوسی اور ان کے غیر سے قریب ہونے پر ہنستا ہے، ابورزین کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا باری تعالیٰ ہنستے ہیں؟ فرمایا جی ہاں میں نے عرض کیا پھر تو ہم اس رب کے فضل وکرم سے ہرگز محروم نہ ہوں گے جو ہنستا ہے۔

روایت میں اللہ کے لیے ضحک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے متقدمین اور متاخرین کے ذوق کے مطابق اس کا الگ الگ مطلب بیان کرو

متقدمین: ضحک صفات باری میں سے ایک صفت ہے اور ان کے بارے میں متقدمین کا مسلک یہ ہے کہ ان کے معانی پر ایمان رکھو، لیکن ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے

Website:MadarseWale.blogspot.com

حوالہ کرو۔ امام نوویؒ ان کے مسلک کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ صفات باری پر اس طرح ایمان لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان حق ہیں اور ان کے وہ ظاہری معنی جو ہمارے حق میں متعارف ہیں وہ مراد نہیں۔ (غلو فی الدین ص: ۳۵۸)

امام مالکؒ کا مقولہ صفات باری کے بارے میں مشہور و معروف ہے ''الإستِواءُ معلُومٌ، والكَيفُ مَجهُولٌ والإيمَانُ بِهِ واجِبٌ والسوالُ عنه بِدْعَةٌ''

متأخرین: کہتے ہیں کہ صفات باری میں ضرورت شرعی کی بناء پر مناسب تاویل کی اجازت ہے، جیسے ہاتھ سے اللہ کی قدرت مراد لینا، آنکھ سے اللہ کی حفاظت مراد لینا؛ اور ضحکِ الٰہی کے بہت سے معنی ہیں (۱) اللہ کا راضی ہونا اور خیر کا ارادہ کرنا (۲) الطاف و عنایت کی بارش کرنا، یا اس جگہ فرشتوں کو ہنسنے کا حکم دینا ہے اور اللہ کی طرف نسبت مجازاً ہے وما الی ذلک۔ (مستفاد ضیاء السنن ص ۴۶۰)

صفات باری کے بارے میں جہمیہ کا مسلک

اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں جو بندوں میں پائی جاتی ہو خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا صراحتاً انکار کرتے ہیں۔ (تکمیل الحاجہ: ۳۷۸)

اس روایت سے جہمیہ کی تردید کیسے ہوئی؟

یہ کیونکہ صفات باری کے منکر ہیں اور اس حدیث میں صفت ضحک کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا گیا ہے اس طرح ان کی تردید ہوئی۔

مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ: یہ نصر سے آتا ہے معنی مایوس ہونا، علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے ولعل المراد ههنا هو الحاجة والفقر کہ شاید اس سے مراد فقر و فاقہ ہے اب ان کے الفاظ میں مطلب یہ ہوا، رضی عنهم ويقبل بالاحسانِ إذا نظر إلَى فَقْرِهِمْ

فَاقَتِهِم وحَقَارَتِهِم وضُعفِهِم۔(قِبلَ بِه: ضامن بننا)

وقُرْبِ غِيَرِه: ضمیر بقول سندھیؒ راجح ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور یہ تعبیر الحال وتحویلہ کے معنی میں ہے یعنی حالات کو رد بدل کر دینا اب مطلب یہ ہوا کہ باری تعالیٰ اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ذراسی تکلیف پر بندہ خیر سے ناامید ہونے لگتا ہے حالانکہ بہت جلدی باری تعالیٰ اس شر کو خیر سے بیماری کو صحت سے مصیبت وآزمائش کو فرحت ومسرت سے بدلنے والے ہوتے ہیں۔

لَنْ نَعْدِمَ مِنْ رَبٍّ يَضْحَكُ خَيْرًا: خَيْرًا لَنْ نَعْدِمَ کا مفعول ہے اور نعدم (ض) سے آتا ہے معنی کم کرنا ختم کرنا، علامہ سندھیؒ صحابی کی مراد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ رب جسکی صفت خوش ہونا ہے ہم اسکے فضل سے محروم نہیں ہوں گے بلکہ جب بھی خیر کے طالب ہوں گے تو وہ ہمیں نصیب ہوگی کیونکہ ہم اسکے سامنے فقر وفاقہ کا اظہار کرینگے تو وہ خوش ہوگا اور عنایت فرمائے گا۔(ضیاء السنن ص ۲۶۲)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۸

سوال (۲۸) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وسلَّم يَعْرِضُ نَفْسَهُ عَلَى النَّاسِ فِي الْمَوْسِمِ فَيَقُولُ: أَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِي إِلَى قَوْمِهِ فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي۔ اسنادہ صحیح

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے دنوں میں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور فرماتے کہ تم میں کون ہے جو مجھے

Website:NewMadarsa.blogspot.com

بحفاظت اپنی قوم کے پاس لے جائے تا کہ میں اپنے رب کے کلام کی تبلیغ کرسکوں اس لیے کہ قریش نے مجھے خدا کے پیغام پہنچانے سے روک دیا ہے۔

شرح الحدیث: ابوطالب کے بعد مکہ کی سرزمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید تنگ ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرب جوار میں تبلیغ کرنی چاہی تو طائف کا دلدوز واقعہ پیش آیا بالآخر مطعم بن عدی کی پناہ میں آپ مکہ تشریف لائے اور ایام حج میں آنے والے قبائل کو دعوت دیتے، چنانچہ نبوت کے گیارہویں سال آپ کی ملاقات اہل مدینہ سے ہوئی اس وقت ان کی تعداد صرف چھ تھی یہ حضرات آپ پر ایمان لائے اور مدینہ لوٹ گئے؛ دوسرے سال حج کے موقع پر انصار مدینہ پھر آئے اس وقت ان کی تعداد ۷۳ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباسؓ کے ہمراہ ان سے ملنے پہنچے، گفتگو کا آغاز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا، اے خانوادۂ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو درجہ ہمارے یہاں حاصل ہے وہ تم کو معلوم ہے ہم نے قوم سے ان کی حفاظت کی اب ان کو اصرار ہے وہ تمہارے ساتھ جاملیں؛ لہٰذا اگر تم ان کے ساتھ وفاداری کرنے کو تیار ہو اور ان کی ان کے مخالفین سے حفاظت کرنے کو تیار ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ابھی ان کو چھوڑ دو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی تلاوت کی اللہ کی طرف دعوت دی، پھر فرمایا: ہم تم سے اس بات کی بیعت لینا چاہتے ہیں کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح ہماری حفاظت کروں گے؛ براء بن معرورؓ نے ہاتھ تھاما اور عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو نبی بنایا ہے ہم آپ کی اپنے بچوں کی طرح حفاظت کریں گے اور دفاع کریں گے، ہمیں بیعت کر لیجیے، خدا کی قسم! ہم جنگجو اور مسلح ہیں اور یہ چیز ہمیں وراثت میں ملی ہے (مختصر سیرت نبوی ص ۹۷)

جہمیہ کے عقائد تفصیل سے تحریر کریں۔

(۱) ایمان صرف معرفت قلب کا نام ہے اسکے بعد چاہے انسان زبان سے انکار

کرے وہ کامل الایمان رہے گا۔

(۲) ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور افعال سیئہ سے ایمان متاثر نہیں ہوتا

(۳) خدا کا علم اور کلام دونوں حادث ہیں یعنی مخلوق ہیں

(۴) بندہ مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں ہے۔

(۵) رویت باری محال اور قطعاً ناممکن ہے

(۶) انبیاء اور ان کے امتیوں کا ایمان یکساں اور ایک درجہ کا ہے۔

(۷) یہ اللہ کی تمام صفات کے منکر ہیں

(۸) اللہ کے تحیز بالمکان کے قائل ہیں

(۹) جنت اور جہنم کو ان کے مستحقین کے داخل ہونے کے بعد فنا کر دیا جائیگا،

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے لیے کلام ہونا ثابت ہوا اور جہمیہ صفات باری کے منکر ہیں تو اس طریقہ سے جہمیہ کی تردید ہوئی۔۔ (تکمیل الحاجہ ص ۷۷ ۳)

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ: ۲۳

سوال (۲۹) عَنِ الْأَعْرَجِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ وَاللهِ لَوْلَا آيَتَانِ فِيْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَىٰ مَا حَدَّثْتُ عَنْهُ يَعْنِي عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شَيْئًا أَبَدًا لَوْلَا قَوْلُ اللهِ: إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ إِلَىٰ آخِرِ الْآيَتَيْنِ

حضرت عبدالرحمن بن ہرمز اعرج کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دو آیتیں نہ ہوتی تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حدیث میں سے کچھ بھی بیان نہ کرتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد، إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ آخر تک۔ اسنادہ صحیح

حدیث میں کن دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے؟

حدیث میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۸/۱۷۳ کی طرف اشارہ ہے (۱) إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَأُولٰئِكَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

(۲) إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ۔

شرح الحدیث: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ لوگ سوچتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں جبکہ انصار و مہاجرین ایسا نہیں کرتے قسم اللہ کی جو حساب لینے والا ہے میں تمہیں اسکی وجہ بتلاتا ہوں میرے انصاری بھائی کاشت کاری کرتے تھے اور مہاجرین تجارت کرتے اور میں خدمت رسول میں پڑا رہتا، نتیجۃً میں ان موقعوں پر بھی موجود رہتا جب انصار و مہاجرین نہ ہوتے اور وہ چیزیں یاد رکھ لیتا جسے دوسرے بھول جاتے ایک دن آپؐ نے فرمایا تم سے جو شخص بھی اپنا کپڑا پھیلا کر میری گفتگو سنے اور آخر میں اسے اکٹھا کر کے اپنے سینے سے لگا لے تو وہ کبھی کوئی حدیث نہیں بھول سکتا تو میں نے یہ عمل کیا اور اسکی بدولت میں آج تک کوئی حدیث نہیں بھولا اللہ کی قسم اگر قرآن میں دو آیتیں نازل نہ ہوتیں تو میں تم سے کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی شریعتیں کتمان کے سبب مٹ گئی اور قرآن نے بھی اس عمل کو مذموم و حرام قرار دیا ہے

اس لیے حضرت ابو ہریرہؓ نے دن رات اس ذخیرہ کی اشاعت کی اور جو کچھ انہیں دامن رسالت سے ملا تھا وہ سب بے کم و کاست امت تک پہنچا دیا۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۱۹

سوال (۳۰) عَنْ أَبِیْ مُوسٰی الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْأُتْرُجَةِ طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَرِیْحُهَا طَیِّبٌ ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ التَّمْرَةِ ، طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَلَا رِیْحَ لَهَا ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِی یقرأ القرآنَ کمثلِ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِی لَا یقرأ القرآنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِیْحَ لَهَا

ترجمہ: فرمایا اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ترنج کی طرح ہے کہ مزہ بھی عمدہ اور خوشبو بھی شاندار، اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی سی ہے کہ مزہ تو شیریں لیکن خوشبو کچھ نہیں اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے پھول کی طرح ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن مزہ کڑوا، اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ایلوے کی ہے، جس کا مزہ بھی کڑوا اور اسکی خوشبو بھی کچھ نہیں۔ اسنادہ صحیح

شرح الحدیث: محدث کبیر شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے مقصود ایک امر محسوس کو ایک غیر محسوس شئی کے ساتھ تشبیہ دیکر لوگوں کو سمجھانا ہے تاکہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور نہ کرنے کا فرق فوراً ذہن میں اتر جائے اور آدمی سمجھ لے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں کیا فوائد مضمر ہیں اور اسکو چھوڑنے میں کیا نقصانات مخفی ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ کلام الٰہی کی تلاوت کی حلاوت و چاشنی اور مہک سے ترنج اور

Website:NewMadarsa.blogspot.com

کھجور کو کیا نسبت ، اگر چہ ان اشیاء کے ساتھ تشبیہ دینے میں خاص نکات پوشیدہ ہیں مثلا ترنج ہی کو لیجیے یہ منافع میں تلاوت وقرأت کے ساتھ ایک خاص مناسبت رکھتا ہے یعنی منھ کا خوشبودار ہونا ، باطن کا صاف ہونا ، روحانیت میں طاقت وقوت پیدا کرنا وغیرہ

ترنج یا اترجہ: یہ درختوں پر آنیوالے پھلوں میں سب سے عمدہ اور عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے بڑا خوبصورت اور زرد ہوتا ہے اور اپنے دیکھنے والوں کے لیے تفریح کا سامان مہیا کرتا ہے، علامہ سندھیؒ کہتے ہیں کہ یہاں ایمان کو عمدہ ذائقہ سے تشبیہ دی گئی ہے اور قرآن کو نہایت عمدہ خوشبو سے تشبیہ دی گئی ہے، قرآن کریم کی تلاوت ایمان کی خوشبو بھڑکا کر اسے چہار سو پھیلا دیتی ہے جس کی بدولت دوسروں کو بھی دین کی توفیق ملتی ہے لیکن تلاوت چھوڑنے کی صورت میں ایمان کھجور کی طرح بند ہو جاتا ہے اور دوسروں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا صرف اسکی مٹھاس صاحب ایمان ہی کے لیے مخصوص ہو کر رہ جاتی ہے۔

كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ: اس سے مراد نازبوں کا پھول ہے جو نہایت عمدہ قسم کا ہوتا ہے، منافق اگر تلاوت قرآن کریم کرے تو اسکو قرآن کریم کی عمدہ خوشبو تو ملتی رہے گی لیکن حلاوت ایمان حاصل نہ ہوگی کیونکہ اس کے فسق اور نفاق نے ایمان کے مزے کو فاسد کر دیا البتہ اگر یہ تلاوت کی پابندی کریگا تو یہ خوشبو اس کے دل ودماغ میں سرایت ہو کر ایمان صحیح سے نواز دے گی کما قال الشیخ خلیل احمدؒ سہارنپوری۔

كمثلِ الحنظلَةِ: یہ نارنگی جیسا ہوتا ہے اور اسکا گودا نہایت کڑوا ہوتا ہے جیسا کہ ایلوا؛ یہاں اس منافق کی مثال بیان کی جو ایمان وعمل دونوں سے محروم ہوتا ہے اس لیے اسے کڑوا کہا گیا۔ (مستفاد ضیاء السنن وتکمیل الحاجہ ص: ۱۲،۵/ ۴۲۷)

منافق: المنافِقُ هو الذی يُضمِرُ الكفرَ اعتقادًا ويُظهِرُ الإيمانَ قولاً

یعنی جس کے دل میں کفر ہو اور زبان سے اسلام ظاہر کرے (کتاب التعریفات ص ۲۶۶)

منافق کی اقسام:

نفاق کی ابتداء دو قسمیں ہیں (۱) نفاق لغوی (۲) نفاق شرعی۔ لغت میں نفاق ''مکروفریب اور دھوکہ دہی'' کو کہتے ہیں

نفاق شرعی کی دو قسمیں: (۱) نفاق اعتقادی (۲) نفاق عملی۔ نفاق عملی۔ نفاق اعتقادی کی تعریف یہ ہے ''أن یُظْهِرَ الإنسانُ الإیمانَ باللهِ و ملائِکَتِهٖ و کُتُبِهٖ و رُسُلِهٖ والیوم الآخر، ویُبْطِنُ ما یُنَاقِضُ ذٰلک کلّه او بعضه'' یعنی انسان اللہ، اور اسکے فرشتوں وغیرہ پر ایمان ظاہر کرے اور اندرونی طور پر اس کے برخلاف عقائد رکھے خواہ پورے طور پر یا جزئی طور پر، اس کو نفاق اکبر بھی کہتے ہیں اس کا مرتکب کافر ہے

(۲) نفاق عملی یہ ہے کہ انسان ظاہری طور پر تمام عقائد حقہ کو تسلیم کرتا ہو اور ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی کرتا ہو، لیکن اس کے اعمال احکام شرعیہ سے میل نہیں کھاتے، ایسا شخص فاسق وفاجر ہے (معارف وحکم ۱/۳۶۹)

حدیث میں مذکور منافق سے کونسا منافق مراد ہے

و مثلُ المُنَافِقِ الذی لا یقرأ القرآنَ کمثل الحَنْظَلةِ، طَعْمُهَا مُرّ و لَا رِیْحَ لَهَا: حدیث کے اس جملہ میں منافق حقیقی مراد ہے۔ وَ مِنْهُمْ مَنْ لَا نَصِیْبَ لَهٗ بالکلیةِ وهو المنافقُ الحقیقیُ۔

قرأت قرآن سے کیا مراد ہے؟

(۱)۔ ویقرأون القرآنَ أي بالقراءة أو بِتَفْسِیرِ الأیاتِ، یعنی مختلف قرأتیں یا تفسیریں مراد ہیں۔ (۲) اعمال مراد ہیں۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:۱۸

سوال (۳۱) عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلَمَ إِنَّ اللّٰہَ لَیَضْحَکُ إِلٰی ثَلاَ ثَۃٍ: لِلصَّفِ فِی الصَّلاَ ۃِ وَلِلرَّجُلِ یُصَلِّی فِيْ جَوْفِ اللَّیْلِ وَلِلرَّجُلِ یُقَاتِلُ أُرَاہُ قَالَ خَلْفَ الْکَتِیْبَۃِ۔ اسنادہ ضعیف

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تین شخصوں کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے ایک نماز کی صف میں کھڑا ہونے والا (۲) وہ شخص جو رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھے اور اس شخص کی طرف جو لشکر کے بھاگنے کے بعد بھی لڑتا رہتا ہے۔

خَلْفَ الکتِیبَۃِ: وھی القطعۃُ العظِیمۃُ من الجَیش إذَا فرَ ھذا الکتیبۃ من القتالِ و خافَ رجلٌ واحدٌ منھم عن التَوَلی یوم الزحفِ فبرزَ نفسَہ للقتالِ وھذا أصعبُ الأمورِ، یعنی جب لشکر شکست کھا کر بھاگ جائے تو یہ مردمجاہد تولی یوم الزحف کی وعید کے پیش نظر اپنے کو فرار سے باز رکھے اور تنہا ہی میدان میں ڈٹ جائے۔

(شرح السنن ابن ماجہ ص:۴۱۱)

اس روایت سے کیسے جہمیہ کی تردید ہوئی؟

اس حدیث میں صفت ضحک کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے اور یہ صفت ضحک اور تمام صفات باری کا انکار کرتے ہیں اس طرح ان کی تردید ہوئی

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

Website:NewMadarsa.blogspot.com

ابن ماجہ:۱۸

سوال (۳۲) النَّوَاسُ بْنُ سَمْعَانَ الْكِلَابِيُّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلَّمَ يَقُوْلُ : مَامِنْ قَلْبٍ إِلاَّ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعَ الرَّحْمٰنِ إِنْ شَاءَ أَقَامَهُ وَإِنْ شَاءَ أَزَاغَهُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: يَا مُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ قَالَ وَالْمِيْزَانُ بِيَدِ الرَّحْمٰنِ يَرْفَعُ أَقْوَامًا وَيَخْفِضُ أٰخَرِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ اسنادہ صحیح

فرمایا: ہر قلب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ چاہے تو سیدھا رکھے اور چاہے تو اسے ٹیڑھا کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے دلوں کے جمانے والے ہمارے قلوب کو اپنے دین پر جمادے، فرمایا: میزان اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسی کے ذریعہ قیامت تک کچھ قوموں کو عروج دے گا اور کچھ کو پست کریگا۔

باری تعالیٰ کے ''ید'' اور ''اصبع'' کی تشریح کے سلسلے میں امت کا کیا اختلاف ہے؟

ضحک، ید اور اصبع متشابہات اور صفات باری میں سے ہیں اور ان کے بارے میں یوں عقیدہ رکھنا چاہیے کہ یہ سب اللہ کے شایان شان اس کے لیے ثابت ہیں مگر ہم ان امور کی کیفیت نہیں جانتے اور نہ ان کے پیچھے پڑتے ہیں اور اللہ کے ہاتھ، پیر، آنکھ، انگلی وغیرہ سے وہ مراد نہیں جو مخلوق کے لیے سمجھے جاتے ہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ'' لہٰذا اللہ کے ہاتھ پیر وغیرہ ہیں مگر ہماری طرح نہیں اور ان کی حقیقت وکیفیت ہم نہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہیں؛ لہٰذا اس کو اللہ کے حوالے کرتے

ہیں یہی صحیح موقف ہے اور اسی کے متقدمین قائل ہیں۔

دلائل: وصِفَاتُه كُلُّهَا بخِلَافِ صِفَاتِ المَخْلُوقِيْنَ، يَعْلَمُ لاَ كَعِلْمِنَا ويقْدِرُ لا كَقُدْرَتِنَا، وَيَرى لَا كَرُؤْيَتِنَا، ويَسمَعُ لا كَسَمْعِنَا، ويَتكَلَّمُ لاَ كَكَلَامِنَا ونحنُ نَتكَلَّمُ بالآلاتِ والحُرُوْفِ والله تعالى يتكلم بلا آلة ولا حروف (غلو فی الدین)

وقد قالَ غيرُ واحد مِنْ أهلِ العلمِ في هذ الحديثِ وما يُشْبِهُ هذا من الرِوایاتِ في الصِفاتِ ونزول الرَبِ تبارک تعالی كُلَّ ليلةٍ إلى السماءِ الدنيا قالوا قد ثَبتَ الروایات فی هذا، ویومن بها ولا یتوهم ولا یقال: کیف هذا قول العلم من اهل السنةِ والجماعةِ واما الجهمیةُ فانکرتْ هذه الروایات۔

(ترمذی کتاب الزکاۃ: باب فضل الصدقۃ۔ ۱/۱۴۴)

متاخرین: ان میں سے اکثر حضرات نے ایک ضرورت شرعی کی بنا صفات باری میں مناسب تاویل کی اجازت دی ہے جیسے ہاتھ سے اللہ کی قدرت مراد لینا وما انی ذلک۔

جہمیہ: یہ تمام صفات باری کے منکر ہیں

شرح الحدیث: رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان دل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلوب بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کا مکمل قبضہ ہے اور پوری طرح وہ ان پر تصرف کا مالک ہے جس کے دل کو چاہے طاعات وعبادات میں لگا دے اور جس کے دل کو چاہے حق سے پھیر دے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ آپ دلوں کو ثابت رکھنے والے ہیں ہمارے دلوں کو راہ حق اور دین مستقیم پر قائم ودائم رکھ۔

والمیزان بیدِ الرحمٰنِ: اللہ کے ہاتھ میں میزان ہے جو عدل وانصاف کا ذریعہ ہے اور میزان سے مراد رزق وعمل کا ترازو ہے اور اصابع سے رحمت وغضب کے آثار مراد ہیں۔

اس حدیث سے جہمیہ کا رد کیسے ہوتا ہے؟

اس حدیث میں "اصابع" اور "ید" کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور جہمیہ ان کا انکار کرتے ہیں اس طرح مصنفؒ نے یہ حدیث لا کر ان کا رد کیا۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

ابن ماجہ:۲۲

سوال (۳۴) عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلی اللہ عَلَیْہِ وسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِیْ سَیَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ وَیَقْرَأُوْنَ القرآنَ وَیَقُوْلُوْنَ نَأْتِی الأُمَرَاءَ فَنُصِیْبُ مِنْ دُنْیَاھُمْ وَنَعْتَزِلُھُمْ بِدِیْنِنَا وَلاَ یَکُوْنُ ذٰلِکَ کَمَا لاَ یُجْتَنٰی مِنَ القَتَادِ إِلاَّ الشَّوْکُ کَذٰلِکَ لاَ یُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِھِمْ إِلاَّ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ کَأَنَّہُ یَعْنِی الخَطَایَا۔ اسنادہ ضعیف

ترجمہ: میری امت میں کچھ لوگ تفقہ فی الدین کا اظہار کریں گے قرآن کو پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس جا کر ان کی دنیا سے حصہ لیتے ہیں اور اپنے دین کو ان سے بچائے رکھتے ہیں؛ لیکن ایسا نہیں ہوگا جس طرح کانٹے کے درخت سے صرف کانٹا ہی توڑا جاتا ہے اسی طرح ان کے قرب سے لغزش و گناہ ہی حاصل ہوں گے۔

وضاحت: حدیث میں ان علماء کی مذمت کی گئی جو دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے حکمرانوں کے یہاں آمد و رفت رکھتے ہیں یعنی اس امت کے کچھ علماء تفقہ فی الدین کا دعویٰ کریں گے امراء کے گھروں کا طواف کریں گے اپنی دینی اہمیت کا اظہار کر

Website:NewMadarsa.blogspot.com

کے مال و دولت، جاہ و منصب اور اعزاز و خطابات حاصل کرینگے لوگ جب ان پر جملے کسیں گے تو وہ کہیں نگے حکمرانوں کی مصاجبت و ہم نشینی سے ہماری دینی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑیگا، یعنی اپنا دین ان سے بچائے رکھتے ہیں اور ان کے کسی گناہ میں شریک نہیں ہوتے حالانکہ یہ خام خیالی ہے کیونکہ اکثر امراء گناہوں کا منبع بنے ہوتے ہیں تو ان کی صحبت دین کو فاسد ہی کریگی۔

"إلاَّ" کے بعد آپ نے کوئی جملہ ارشاد نہیں فرمایا، محمد ابن الصباحؒ کہتے ہیں کہ "إلاَّ" کے بعد آپ نے خطایا کا ارادہ کیا ہے۔

تم الجواب بعون اللہ تعالیٰ

☆ ☆ ☆

NEW MADARSA

MADARSE WALE

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اجمالی فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
١	سورہ کلب	٨٨
٢	کتا اگر برتن میں منہ ڈال دے تو پانی ناپاک ہوتا ہے یا نہیں	٨٨
٣	جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسکو کتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے	٨٩
٤	امام اعظمؒ کے دلائل:	٩١
٥	قتل کلاب کا حکم باقی ہے یا منسوخ ہو گیا؟	٩٢
٦	استقبال القبلة واستدبارها	٩٣
٧	ائمہ ثلاثہ اور داؤد ظاہری کے دلائل	٩٤
٨	احناف کے دلائل:	٩٦
٩	احناف کے مسلک کی وجوہ ترجیحات	٩٧
١٠	شرقوا أو غربوا کا حکم کن لوگوں کے لیے ہے	٩٧
١١	استنجاء بالاحجار	٩٨
١٢	سورہ ھرہ	٩٩
١٣	سور ہرہ کے بارے میں ائمہ کے مسالک	١٠١
١٤	ائمہ ثلاثہ کی دلائل:	١٠١

۱۵	طرفین کے دلائل:	۱۰۲
۱۶	ائمہ ثلاثہ کے دلائل جواب	۱۰۲
۱۷	بلی کو طوّاف کہنے کی کیا وجہ ہے۔	۱۰۳
۱۸	بول مایؤکل لحمہ	۱۰۵
۱۹	منی پاک ہے یا ناپاک	۱۰۸
۲۰	کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا شرعی حکم	۱۱۱
۲۱	بول الصبی قبل الطعام	۱۱۳
۲۲	مسح علی الخفین	۱۱۵
۲۳	مس مرأة ناقض وضو ہے یانہیں	۱۲۱
۲۴	نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہوتا ہے یانہیں	۱۲۵
۲۵	الاختلاف فی النوم	۱۳۰
۲۶	عمامہ پرمسح	۱۳۶
۲۷	مسئلہ فاقد الطہورین	۱۳۸
۲۸	مسواک کا تعلق وضو سے ہے یا نماز سے	۱۴۲
۲۹	عورتوں کا مساجد میں جانا	۱۴۳
۳۰	کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟	۱۴۴
۳۱	دم حیض	۱۴۸
۳۲	تطہیر ارض	۱۵۰

☆ ☆ ☆

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سورہ کلب

عَنْ عَبْدِ اللهِ الْمغفل أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم آمَرَ بِقتلِ الکلابِ، وَرَخَصَ فی کلبِ الصَّیدِ والغَنَمِ وَقال: إذا وَلَغَ الکلبُ فی الإناءِ فَاغْسِلُوْهُ سَبعَ مَرَاتٍ وعَفِرُوهُ الثامِنَةَ بِالتراب۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا پھر شکار اور بکریوں کی حفاظت کی غرض سے کتا پالنے کی اجازت دی، اور فرمایا جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسکو سات مرتبہ دھولو اور آٹھوی مرتبہ مٹی سے مانجو۔

کتا اگر برتن میں منھ ڈال دے تو پانی ناپاک ہوتا ہے یا نہیں

امام اعظمؒ:

فرماتے ہیں کہ کتا اگر برتن میں منھ ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے یعنی انکے یہاں کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور یہی قول ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔

دلائل: (۱) طُهُوْرُ إناءِ آحَدِكُمْ إذا وَلَغَ فِيهِ الكلبُ أَن يُغْسَلَ سَبعَ مَرَاتٍ۔(ابوداود ص ۱۰)

(۲) عبارت ترجمہ والی حدیث یعنی عبداللہ بن مغفلؓ والی حدیث۔

(۳) قال قال رَسُولُ الله صلی اللہ علیہ وسلم إذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إناءِ اَحَدِكُمْ فَأَهْرِقْهُ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبعَ مَرَاتٍ أولهُنَّ بِالتُرَابِ۔ نسائی شریف۔

(۴) إذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا. (بخاری ۱/۲۹)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے وہ اس طرح کہ آپ نے اس برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا جسمیں کتے نے منہ ڈال دیا اسی طرح پانی کو بہانے کا حکم دیا خلاصہ یہ ہے کہ سات مرتبہ دھونا اور پانی کو بہانا یہ ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ پاک چیز کو سات مرتبہ دھونا اور پاک چیز کو ضائع کرنا یعنی بہانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

امام مالکؒ:

کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

دلیل: وَما عَلَّمتُم من الجَوَارِحِ مُکَلِّبِینَ تُعَلِّمُوْ نھن مما علَّمَکُمُ اللہ فکلوا مِمَّا اَمْسَکْنَ علیکم وَاذکُرُوا اسمَ اللہِ علیہ۔ (سورہ مائدہ۔آیت ۴)

اس آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ اگر کتا شکار سے نہ کھائے بلکہ اپنے مالک کے لیے روک لے تو اس شکار کو کھانے کی اجازت ہے واضح رہے کہ یہاں دھونے کا حکم نہیں دیا حالانکہ اس میں لعاب ضرور ہوگا معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

جواب: اس آیت میں پاکی اور ناپاکی کی بحث نہیں بلکہ حلت و حرمت کی بحث ہے یعنی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ شکاری کتے کا شکار بغیر ذبح کے حلال ہے۔

(مستفاد افاضات امیری)

جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسکو کتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے

Website:NewMadarsa.blogspot.com

امام اعظمؒ:

فرماتے ہیں جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسکو تین مرتبہ دھونا واجب اور سات مرتبہ دھونا مستحب ہے یعنی جیسے اور نجاستیں تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہیں اسی طرح یہ بھی تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا۔

امام مالکؒ:

سات مرتبہ دھونا واجب ہے جس میں ایک مرتبہ مٹی سے رگڑنا بھی مستحب ہے۔

امام شافعیؒ:

سات مرتبہ دھونا واجب ہے جسمیں ایک مرتبہ مٹی سے رگڑنا بھی شامل ہے

دلیل: إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا (بخاری ۱/ ۲۹)

جواب: (۱) التسبيع محمول على الاستحباب كما صرح به فخر الدين الزيلعي (ترمذی۔ ۱/ ۲۸)

(۲) محمول على إبتداء الاسلام أو على النسخ۔ ۱۲ (ھدایہ ۱/ ۴۵)

(۳) یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ راوئ حدیث حضرت ابو ہریرۃؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد فتوی دیا کہ تین مرتبہ دھویا جائے (کتے کے جھوٹے کو) اور اصول یہ ہے کہ راوی کا مروی عنہ کے خلاف فتوی دینا نسخ پر دلالت کرتا ہے ورنہ عدالت ختم ہو جائے گی۔ (افاضات امیری)

امام احمدؒ:

آٹھ مرتبہ دھونا واجب ہے اور آٹھوی مرتبہ میں مانجنا ضروری ہے

دلیل: ان کی دلیل عبارت ترجمہ والی عدیث یعنی عبداللہ ابن مغفل کی حدیث

جواب: ان کی دلیل کا بھی وہی جواب ہے جو امام شافعیؒ کی حدیث کا ہے۔

(۲) الأمر بالتسبيع منسوخ، وهو محمول على الابتداء عند التشديد فی آمر الكلب حتى امر بقتلها ولا يترك ابو هريرة العمل بالحديث لرأيه إلا اذا علم بالناسخ۔

(۳) الأمر بالتسبيع و استعمال التراب محمول على الندب و الأمر

بالثلاث محمول على الوجوب ، جمعا بين الأدلة ، لأن الصحابي لا يسوغ له أن يخالف مارواه۔ (الفقه الحنفی ۱/ ۳۹)

امام اعظمؒ کے دلائل:

(۱) عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکلب یَلَغُ فی الإناءِ أنه یَغسله ثلاثًا أو خمسا أو سبعا. (سنن دار قطنی ۱/۶۵/۶۶) بیروت۔

قال الشیخ تقی الدین فی الامام: وھذا اسند صحیح. (نصب الرایة ۱/ ۱۸۵).

اسی حدیث کو حافظ ابن عدیؒ نے ''الکامل'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُهْرِقْهُ وَلْيَغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

(۳) عبد الرزاق عن ابن جریج قال: قلت لعطاء کم یُغسل الإناء الذي یلغ فیه الکلب قال: کل ذلک سمعت سبعاً و خمساً و ثلاثا مرات.

(۴) عبد الرزاق عن معمر قال سألت الزهري عن الکلب یلغ في الإناء قال: یغسل ثلاث مراتٍ (المصنف۔ ۱/ ۶۶/۶۷)

(۵) عن أبي هريرة أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إذا استيقظَ أحدکم من نومه فَلاَ يَغْمِسْ يدَہ في الإناء حتی یغسلها ثلاثًا فإنه لا یَدْرِی أین باتت یدُہ۔ (مسلم ۱/ ۱۳۴)

وجہ استدلال یہ ہے کہ ابتدائی زمانے میں پانی کی قلت کی بنا پر صحابہ کرامؓ استنجاء بالاحجار کرتے تھے، اور استنجاء بالاحجار میں اس بات کا پورا امکان رہتا ہے کہ نجاست کا کچھ حصہ مخرج میں رہ جائے، نیز عرب کا علاقہ گرم تھا اس لیے یہ احتمال ہے کہ سونے کے بعد پسینہ آئے اور حالت نوم میں ہاتھ محل نجاست پر لگنے کی وجہ سے ناپاک ہو جائے اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نیند سے بیدار ہونے کے بعد احتیاطا تین

Website: NewMadarsa.blogspot.com

مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم دیا۔ بہر حال اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز پر پیشاب پاخانہ لگ جائے تو وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی حالانکہ یہ دونوں اغلظ النجاسات ہیں تو سور کلب جو اس سے کم درجہ کی نجاست ہے وہ تو بدرجہ اولیٰ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی۔ کما قال الطحاویؒ (تسہیل الطحاوي ٦٩)

قتل کلاب کا حکم باقی ہے یا منسوخ ہو گیا؟

قتل کلاب کا حکم منسوخ ہو گیا۔ دلیل: ثم قال: مَا لَهُمْ وَلَهَا۔ ابوداؤد۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو کتوں کے بارے میں کیا ہو گیا کہ ان کو قتل کرتے ہیں اور کتے قتل کئے جاتے ہیں۔ یہ قتل کے نسخ کی دلیل ہے۔ (السمح المحمود ۱/۳۳۵)

ورخص فی کلب الصید والغنم کا کیا مطلب ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے قتل کی ممانعت کے بعد شکار کی غرض سے کتے پالنے کی اجازت دے دی، اسی طرح بکریوں کی حفاظت کی غرض سے کتے پالنے کی بھی اجازت دی۔ مسلم کی روایت میں وکلب زرع کا بھی اضافہ ہے۔

(السمح المحمود ۱/۳۳۵)

وضاحت:

کلب کے معنی اصل میں حملہ کرنے کے ہیں، کتا چونکہ انسان اور مختلف حیوانات پر حملہ کرنے کا خوگر ہوتا ہے، اس لیے کلب کہلایا، جمع اسکی کلاب ہے۔ اہل لغت کے نزدیک ہر درندہ حملہ آور جانور پر کلب کا اطلاق ہوتا ہے۔ کتے کا گوشت اور اس کا جھوٹا طبی اعتبار سے صحت انسانی کے لیے مضرت رساں ہے، اسی لیے اسلام نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کتے کے ساتھ انسان کی زیادہ موانست ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداءً تو تمام کتوں کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا، پھر خاص طور

پر کالے کتے کو مارنے کا حکم فرمایا۔ گو کتوں کو مارنے کا حکم ایک عارضی اور عبوری حکم تھا، اور اب صرف ان کتوں کو مارنے کا حکم باقی رہ گیا ہے، جو انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ جانور ایسے ہیں کہ حل ہو یا حرم قتل کیے جائیں گے، ان میں ایک کلب عقور بھی ہے، لیکن کتوں کی پرورش اور کتوں کے ساتھ اختلاط آپ کی نگاہ میں بہر حال ایک ناپسندیدہ عمل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے شکاری نیز حفاظت کے لیے رکھے جانے والے کتے کے سوا، کتے رکھے تو ہر دن اس کے عمل سے دو قیراط کی کمی ہوتی جائے گی۔ کتا نجس العین ہے حنابلہ کے نزدیک، اور احناف کے نزدیک راجح قول کے مطابق نجس العین نہیں۔ کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک، اس کی وضاحت اختلاف کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ (قاموس الفقہ ۴/۵۶۶)

استقبال القبلة واستدبارها

عَنْ عَبد اللہ بن عمر قال: لَقَدْ إِرْتَقَيْتُ عَلى ظَهْرِ بَيْتِنَا فَرَأَيْتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ لِحَاجَتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کئے ہوئے دو اینٹوں پر قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

وضاحت

لبنتین: بفتح الام و کسر الباء الموحدة و فتح النون۔ یہ لبنة کا تثنیہ ہے اسکے معنی ہیں پکی اینٹ

مطلب یہ ہے کہ جب ابن عمرؓ مکان کی چھت پر چڑھے تو حضور صلی اللہ علیہ

Website:MadarseWale.blogspot.com

وسلم کو دو کچی اینٹوں پر بیٹھے ہوئے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اور مدینہ منورہ میں جب بیت المقدس کا استقبال ہو تو کعبہ کا استدبار ہو جاتا ہے اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ آبادی کے اندر استدبار پر دلیل پکڑتے ہیں اور استقبال پر حدیث جابر سے۔ یعنی ائمہ ثلاثہ قضائے حاجت کے وقت استقبال واستدبار کے جواز کے قائل ہیں آبادی میں۔ (مستفاد السح المحمود)

استقبال القبلة واستدبارها

امام اعظمؒ:

استقبال واستدبار دونوں مطلقا ناجائز، کھلی فضاء میں ہو یا آبادی میں، حنفیہ کے یہاں اسی پر فتوی ہے۔

داؤد ظاہریؒ:

استقبال اور استدبار دونوں مطلقا جائز، کھلی فضاء میں ہو یا آبادی میں

ائمہ ثلاثہؒ:

کھلی فضاء میں استقبال واستدبار دونوں ناجائز اور آبادی میں دونوں جائز

ائمہ ثلاثہ اور داؤد ظاہری کے دلائل

(۱) عبارت ترجمہ والی حدیث یعنی ابن عمرؓ کی حدیث طریقہ استدلال تشریح میں دیکھ لیجیے

(۲) نَهٰى نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم أن نَسْتَقْبِلَ القِبْلَةَ بِبَوْلٍ فَرَأَيْتُه قَبْلَ أن يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا ۔ ترمذی۔

اس حدیث سے استقبال ثابت کرتے ہیں وہ اس طرح کہ حضرت جابر کہتے

ہیں کہ میں نے آپ کی وفات سے ایک سال قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت اللہ کی طرف منھ کر کے استنجاء کرتے ہوئے دیکھا، معلوم ہوا کہ استقبال قبلہ جائز ہے خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ نے ان دونوں دلیلوں سے آبادی میں قبلہ کے استقبال اور استدبار پر استدلال کیا ہے اور داؤد ظاہریؒ نے مطلقا استقبال اور استدبار پر استدلال کیا ہے۔

جواب:

حدیث جابر صحیح ہے لیکن اعلی درجہ کی صحیح نہیں، اس لیے یہ حدیث ایوبؓ کے لیے ناسخ نہیں بن سکتی، اس لیے کہ یہ اصول مسلم ہے کہ ناسخ قوت کے اعتبار سے منسوخ سے بڑھ کر ہو یا کم از کم برابر ہو اور حدیث جابر اعلی ہے اور نہ برابر اور ابن عمرؓ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس کی تشریح میں کئی احتمال ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے، نیز ایسے موقع پر ظاہر ہے کہ ابن عمرؓ نے قصدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا ہوگا بلکہ اتفاقا نظر پڑ گئی ہوگی، اور اس میں غلط فہمی کے امکانات زیادہ ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے آپ اصل میں مستدبر قبلہ نہ ہوں، لیکن ابن عمرؓ کو دیکھ کر بتقاضائے حیا آپ نے اپنی ہیئت بدل لی ہو، اور اس تبدیلی کی وجہ سے استدبار قبلہ متحقق ہو گیا ہو۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے طریقے سے مستدبر قبلہ نہ ہوں بلکہ کعبہ سے تھوڑے منحرف ہوں، اور ابن عمرؓ دور سے اس معمولی انحراف کا ادراک نہ کر پائے ہوں۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہو، پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء استدبار کی اجازت دینا ہوتا تو اس خفیہ عمل کے ذریعہ اس کی تعلیم کے بجائے واضح الفاظ میں تمام امت کے سامنے یہ حکم بیان فرماتے۔

(درس ترمذی جدید۔ ۱/ ۱۷۵)

Website:NewMadarsa.blogspot.com

نیز فضلات ناپاک ہونے کی وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات پاک ہیں اس لیے اس سے استدلال درست نہیں۔

احناف کے دلائل:

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا أتی أَحَدُکُمُ الغَائِطَ فلا یستقبل القبلة ولا یولّها ظهره شرقوا أو غرِّبوا.

(بخاری ۱/۲۶)

واضح رہے کہ اس روایت کو بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی اور نسائی میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ باتفاق محدثین اصح مافی الباب ہے اسی سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کیونکہ اسمیں استقبال واستدبار قبلہ کی ممانعت بالکل عام ہے آبادی اور صحرا کی کوئی قید نہیں ہے۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إِنَّمَا أَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُکُمْ فإذا أتی أحدُکُمُ الغَائِطَ فلا یستقبل القبلة ویَسْتَدْبِرْهَا.

(ابوداؤد ص ۳)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حنفیہ نے استقبال واستدبار قبلہ کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے خواہ جنگل میں ہو یا آبادی میں چونکہ حدیث عام ہے۔

(۳) عن سلمان قال: قیل له: لقد عَلَّمَکُمْ نَبِیُّکُمْ کُلَّ شَیْءٍ حتی الخِرَاءَةَ، قال أجَلْ لقد نهانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن نستقبل القبلة بغائطٍ أو بولٍ

(۴) نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نَسْتَقْبِلَ القِبْلَتَیْنِ بِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ. (ابوداؤد ص:۳)

(۵) إذا أتیتم الغائط فلا تستقبلو القبلَةَ بِغَائِطٍ ولا بولٍ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا.

(۶) عن طاوس علیہ الرحمۃ قال: حَقُّ اللهِ علی کُلِّ مُسْلِمٍ أن یکرمَ قبلةَ اللهِ فلا

يستقبل منها شيئًا يقول: فی غائط أو بول

(۷) أنه سمع عبد الله بن الحارث الزبيدي يقول: انا أول من سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول: لا يَبُوْلَنَّ أحدُكُمْ مستقبل القبلة۔

(۸) عن مجاهد علیہ الرحمۃ قال: كان يكره أن يستقبل القبلة ببول (یہ سب روایات الکتاب المصنف: ۱/ ۱۳۹ بیروت، میں موجود ہیں)۔

احناف کے مسلک کی وجوہ ترجیحات

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ: ورجح الأول (حديث ايوب) بأنه قول وهذا (حديث ابن عمر) فعل، والقول أولى لان الفعل يحتمل الخصوصية والعذر وغير ذلک وبأنه محرم وهذا مبيح والمحرم مقدم۔

(شامی: ۱/ ۵۵۴)

نیز حضرت ابوایوب کی حدیث موئید بالا حادیث الکثیرہ ہے جیسا کہ احناف کے دلائل سے معلوم ہوا، اس طرح مؤید بالقیاس بھی ہے وہ اس طرح کہ جب کعبہ کی طرف تھوکنا ممنوع ہے تو قضائے حاجت کے وقت استقبال واستدبار قبلہ کی ممانعت بدرجہ اولی ہوگی۔

شرقوا أو غربوا کا حکم کن لوگوں کے لیے ہے

یہ حکم اہل مدینہ کے لیے ہے اس لیے کہ وہاں سے قبلہ جنوب کی سمت میں واقع ہے هذا الحكم خاص بأهل المدينة ونحوها۔

(بین السطور نسائی شریف ۱/ ۵)

Website:NewMadarsa.blogspot.com

استنجاء بالاحجار

امام اعظمؒ و مالکؒ:

استنجاء میں تثلیث (تین ڈھیلوں کا استعمال) مسنون ہے اور انقاء (مخرج کو خوب اچھی طرح صاف کرنا) واجب ہے۔

امام شافعیؒ و احمدؒ:

تثلیث اور انقاء دونوں واجب ہیں۔

دلائل:

عن سلمان قال: نُهينا أنْ نَكْتَفِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ۔

(۲) عن أبي هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمُرنا إِذَا أَتَى أَحَدُنَا الْغَائِطَ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ۔

(۳) عن خزيمة بن ثابت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في الإستِجْمَارِ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ: لَيْسَ فيها رَجِيعٌ۔ (وهذا كلهم فى الطحاوى ص ۹۲) فهذه الاحاديث كلها تدل على وجوب التثليث۔

دلائل احناف و مالکیہ:

(۱) عن أبيه سمع أنه عبد الله يقول أتى النبى صلى الله عليه وسلم الغائط فأمرنى أن آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَوَجَدتُ حَجَرَيْنِ و التمستُ الثَّالِثَ فلَمْ أجِدْ فأخذتُ روثه فاتيته بها فاخذ الحجرين وألقى الروثة وقال هذا رِكْس (بخارى شريف ۲۸/۱) هذا الحديث يَدُلُّ على عَدَمِ اشتراطِ الثَّلَاثَةِ۔

(۲) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم مَنِ استَجمَرَ فَليُوتِر مَن فَعَلَ فَقَد أَحسَنَ وَمَن لَا فَلا حَرَجَ (ابو داؤد ص ٦).

(۳) عن عائشة قالت إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا ذهبَ أَحَدُكُم إلى الغَائِطِ فَليَذهَب مَعَه بِثَلَاثَةِ أَحجَارٍ يَستَطِيبُ بِهِنَّ فَإِنَّهَا تُجزِئُ عنه (ابو داؤد ص ٦) فكلمة الإجزاء لا تدل على وجوب التثليث

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے دلائل کا جواب:

(۱) إن الأمرَ بالثلاثِ في حق من يظن أنه لا يطهر إلا بالثلاث۔

(۲) ان احادیث میں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے کیونکہ عام طور پر تین پتھروں سے صفائی ہو جاتی ہے اس لیے تین کا حکم فرمایا۔

(۳) امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ جس طرح استنجاء بالماء میں عدد متعین نہیں ہے اسی طرح استنجاء بالاحجار میں بھی عدد متعین نہیں ہونا چاہئے بلکہ جتنی تعداد سے صفائی حاصل ہو جائے اتنی تعداد کا استعمال ضرور ہوگا۔ چنانچہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے ہی نجاست زائل ہو جائے تو ایک مرتبہ دھونا کافی ہوگا اور اگر ایک مرتبہ سے نجاست زائل نہ ہو تو دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا واجب ہوگا۔

سورِہرہ

عن كَبشَةَ أَنَّ ابا قتادة دَخَلَ عَلَيهَا ثُمَّ ذَكَرَت كَلِمَةً مَعنَاهَا فَسَكَبَت لَه وضوءاً فَجاءَت هِرَّةٌ فَشَرِبَت مِنهُ فَأَصغى لَهَا الإناءَ حتى شَرِبَت قالت كَبشَةُ فَرَآنِي أَنظرُ إلَيهِ فقَالَ أَتَعجَبِينَ يَا ابنَةَ أَخِي فقلت نَعَم قَالَ إِنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إِنَّهَا لَيسَت بِنَجَسٍ إنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيكُم والطَّوَّافَاتِ.

ترجمہ:

Website:NewMadarsa.blogspot.com

حضرت کبشہ بنت کعب سے روایت ہے ابو قتادہ ان کے پاس آئے اسی دوران ایک بلی آئی اور برتن سے پانی پینے لگی تو ابو قتادہ نے برتن کو اس کی طرف جھکا دیا، یہاں تک کہ بلی نے اس سے پی لیا، کبشہ کہتی ہیں کہ ابو قتادہ نے مجھ کو دیکھا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہی ہوں تو ابو قتادہ نے کہا کہ کیا تو تعجب کرتی ہے اے میری بھتیجی میں نے کہا ہاں، ابو قتادہ نے کہا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بلی نجس نہیں ہے وہ تو پھرا کرتی ہے تمہارے اوپر۔

وضاحت:

ایک دن کبشہؓ کے خسر ابو قتادہؓ ان کے گھر تشریف لائے، حضرت کبشہؓ نے انکو وضو کروانا شروع کیا اتنے میں ایک بلی آئی اور اس برتن سے پانی پینے لگی جناب خسر نے برتن کو بلی کے لیے اور جھکا دیا تا کہ آسانی سے پی لے، کبشہؓ ان کے اس عمل کو تعجب سے دیکھ رہی تھیں تو ابو قتادہؓ نے کہا تم تعجب سے کیوں دیکھ رہی ہو بلی کا جھوٹا پاک ہے، اور اس کے بعد مذکورہ حدیث سنائی۔

اس حدیث سے دو باتیں خاص طور سے معلوم ہوئیں (۱) وضو میں دوسرے سے مدد لی جاسکتی ہے جیسا کہ ابو قتادہؓ اپنے بیٹے کی بیوی سے مدد لے رہے تھے (۲) حضرت ابو قتادہؓ اپنے لڑکے کے یہاں مہمان تھے اور انہوں نے بغیر اجازت کے وضو کا پانی بلی کو پلایا، معلوم ہوا کہ ایسی معمولی چیزوں میں صاحب البیت سے اجازت لینا ضروری نہیں، اسی طرح کھانے کے وقت مہمان کے پاس بلی وغیرہ آجائے تو وہ اسے روٹی کا ٹکڑا ڈال سکتا ہے (السعی المحمود ۱/۲۳۸)

سور ہرہ کے بارے میں ائمہ کے مسالک

امام اعظمؒ ومحمدؒ:

راجح قول کے مطابق بلی کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام یوسفؒ:

بلی کا جھوٹا پاک ہے۔

امام اوزاعیؒ:

ناپاک ہے اور امام طحاوی مکروہ تحریمی کے قائل ہیں۔

دلیل:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم السِنَوْرُ سِبَاعٌ.

یعنی بلی درندہ ہے اور درندوں کا جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اس لیے اسکا جھوٹا بھی ناپاک ہوگا۔

جواب: عموم بلوی کی بنا پر بلی سباع کے حکم سے خارج ہے (۲) یہ حدیث ضعیف ہے: وقال ضَعَفَهُ ابو داؤد وابو حاتم (نصب الرایہ ۱/۱۸۸) السنور سبع وھو ضعیف. (بدائع الصنائع ۱/۲۰۴)

ان کی دلیل عبارت ترجمہ والی حدیث ہے

ائمہ ثلاثہ کی دلائل:

(۲) عن عائشة قالت: كنتُ أغتسِلُ أنا وَرَسول الله صلى الله عليه

وسلم مِن الإناء الواحِدِ، وقد أصابتِ الهرّ منه قبلَ ذلک.

(۳) عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه كان يُصْغِي الإِنَاءَ لِلْهِرِ وَيَتَوَضَأُ بِفَضْلِهِ. (طحاوی شریف ۱/۱۸)

طرفین کے دلائل:

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يُغسَلُ الإِنَاء إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ سَبعَ مَرَاتٍ وإذا ولغت فِيهِ الْهِرَة غَسَلَ مَرَّةً. (ترمذی۔ ۱/۲۷)

(۲) عن أبي هريرة قال: يُغسِلُ الإِنَاءُ مِنَ الهِرَةِ كمَا يُغسلُ مِن الكَلْبِ.

(۳) عن ابن عمر أنه قال: لا توضَئوا من سؤرِ الحِمَارِ والكَلْبِ وَلَا السِنَّوْرِ. (۴) عن قتادة قال: كان سعيدُ بنِ الْمُسَيِّبِ والحسنُ يقولان: إغسل الإناءَ ثلاثاً من سؤرِ الهرِ. (هذا كلهم في الطحاوی ۱۹)

(۵) حدثنا ابن جريجٍ قال: قلت لعطاءٍ: الهِرُ؟ قال: هِيَ بِمَنزِلَةِ الكلبِ أو شرٌ منه.

(٦) عن أبي هريرة فِي سُؤرِ الهِرِ يُهرَاقُ وَيُغسلُ الإِنَاءُ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ.

(سنن الدار قطنی۔ ۱/۸۱/۷۸)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل جواب:

وَمَارَوَاهُ مَحمُولٌ عَلى مَاقَبلَ التَحرِيمِ. (هدايه)

(۲) وما رُوِيَ من الحديث يَحتَمِلُ أنه كان قبل تحريم السِبَاعِ، ويحتمل أن النبی صلى الله عليه وسلم علم من طريق الوحي أن تلك الهرة لم يكن على فِيهَا نَجَاسَةٌ أو يحمل فعله صلى الله عليه وسلم على بيانِ الجواز (بدائع الصنائع ۱/۲۰۵)

Website:NewMadarsa.blogspot.com

إنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسٍ:

اس کے دو مطلب ہیں نمبر ایک یہ ہے کہ حدیث میں مجاز بالحذف ہے: إنها أی إن سؤرها، یعنی بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ بلی اگرچہ ناپاکیوں میں منہ ڈالتی ہے اور چوہے مارتی ہے مگر اس کے جھوٹے کو پاک قرار دینے کی ضرورت ہے۔ پس رفع ضرورت کے لیے جو ایک شرعی اصل ہے بلی کے جھوٹے کو پاک قرار دیا گیا ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ بلی خود ناپاک نہیں۔ اگر وہ کپڑوں پر بیٹھے یا جسم سے لگے تو کوئی حرج نہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۲۸۲/۳)

بلی کو طوّاف کہنے کی کیا وجہ ہے

گھروں میں اسکے کثرت سے آنے جانے کیوجہ سے اسکو طواف کہا اصل میں طوافین اور طوافات سے مراد وہ خدمت گزار نابالغ لڑکیاں ہیں جن کا خدمت کے لیے گھر میں آنا جانا بکثرت ہوتا ہے گویا حدیث میں بلی کو نابالغ خدام سے تشبیہ دی گئی ہے

بول ما یؤکل لحمہ

حدثنا قتادة أَنَّ أنسِ بن مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ أناساً أَوْ رِجَالاً مِنْ عُكْلٍ قَدِمُوا عَلٰی رَسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَتَكَلَّمُوا بِالْإِسْلَامِ، فَقَالُوا يَارَسولَ اللّٰہ! إِنَّا أَهْلُ ضَرْعٍ، وَلَمْ نَكُنْ أَهْلَ رِيفٍ وَاسْتَوْخَمُوا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَ لَهُمْ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم بِذَوْدٍ وَرَاعٍ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَخْرُجُوا فِيهَا فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا، فَلَمَّا صَحُّوا وَكَانُوا بِنَاحِيَةِ الْحَرَّةِ كَفَرُوا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ قبیلہ عکل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، اور اسلام کے متعلق بات کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم

دودھ والے ہیں نا کہ سرسبز زمین اور کھیتی والے، اور ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو چرواہے کے ساتھ دودھ والی اونٹنیوں کے پاس بھیج دیا، اور فرمایا کہ وہاں کی اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیو، پھر جب وہ تندرست ہو گئے اور وہ لوگ حرہ کی حدود میں تھے تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا۔

وضاحت:

ابن اسحاقؒ نے مغازی میں لکھا ہے کہ یہ لوگ غزوہ ذی قرد کے بعد آئے تھے اور یہ غزوہ جمادالاخریٰ ۶ ھ میں واقع ہوا، بہرکیف یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مسلمان ہو گئے، مدینہ میں قیام پزیر ہو گئے مگر ان کو یہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی، جسکی وجہ سے یہ لوگ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، ان لوگوں نے یہ بات حضور کو بتائی اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ! ہم دودھ پی کر زندگی بسر کرنے والے ہیں، اس لیے ہمارے واسطے دودھ کا انتظام فرما دیجیے، حضورؐ نے ان کی درخواست پر ان کو شہر کے باہر اونٹوں کے باڑے میں بھیج دیا، جہاں کچھ بیت المال کے اور کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ تھے، ابن سعدؒ کے قول کے مطابق حضورؐ کے پندرہ اونٹ یا اونٹنیاں تھیں یہ وہاں گئے اور دودھ وموت پیکر شفایاب ہو گئے اسکے بعد انہیں شرارت سوجھی اور تین جرم کئے (۱) راعی کو قتل کر دیا (۲) مرتد ہو گئے (۳) بیت المال کے اونٹ لوٹ کر لے گئے۔ جب آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوتو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستہ انکو پکڑنے کے لیے روانہ فرمایا، اس دستہ نے ان کو پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو انہوں نے راعی کے ساتھ کیا تھا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

بول مایؤکل لحمہ

امام اعظمؒ وشافعیؒ:

ماکول اللحم جانور کا پیشاب ناپاک ہے۔

امام مالکؒ واحمدؒ ومحمدؒ:

جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب پاک ہے۔

دلائل:

(۱) عبارت ترجمہ والی حدیث عرینہ (۲) عن البَرَاءِ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا أُكِلَ لَحْمُه (۳) عن جابر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم: قال: مَا أُكِلَ لَحْمُه فلا بأس بِبَوْلِه. (سنن الدار قطنی۔ ۱/۱۲۹)

(۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صَلُّوا فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ. ترمذی.

وجہ استدلال یہ ہے کہ مرابض غنم یعنی بکریوں کا باڑا، ان کے پیشاب اور مینگنیوں کا مرکز ہوتا ہے اگر ان کا پیشاب اور مینگنیاں وغیرہ ناپاک ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے معلوم ہوا کہ ان کا پیشاب وغیرہ پاک ہے۔

جواب:

حدیث عرینہ کا جواب یہ ہے کہ پیشاب پینے کا یہ حکم بطور علاج تھا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بتلا دیا گیا تھا کہ ان کی شفاء اسی میں ہے، دوسروں کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔

وأما الحديث فقد ذكر قتادة : أن النبى صلى الله عليه وسلم أَمَرَ بشرب أَلْبَانِهَادُوْنَ أَبْوَالِهَا، فلا يصح التعلق به على أنه يحتمل أن النبي صلى الله عليه وسلم عرفَ بطريقِ الوحي شفاءهم فيه والا ستشفاء بالحرام جائز عند التَيَقُّنِ لحصول الشفاء به، كتناوُلِ المَيْتَةِ عندَ الْمَخْمَصَةِ والحديث محمول على أنه صلى الله عليه وسلم عرف شفاء أولئک فيه على الخصوص (٢) یہ حدیث منسوخ ہے۔ إستنزهوا من البول سے۔ (بدائع الصنائع ١/١٩٧)

دوسری اور تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ تداوی پر محمول ہے۔

(٢) یہ دونوں حدیث قابل استدلال نہیں ہیں، قال الحافظ فی التلخیص میں اسنادُہ ضعیف جدا کہا نیز دارقطنی کے مصنف نے بھی ضعف کا فیصلہ کیا ہے

(دارقطنی ١/١٦٩).

احناف کے دلائل:

(١) قال النبي صلى الله عليه وسلم : إِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فإنَّ عامَةَ عَذابِ الْقَبرِ مِنْهُ، الْصَّوابُ مُرسَل (٢) أكثرُ عذاب الْقَبرِ منَ الْبولِ، صَحِيح.

(سنن دار قطنی ١/١٧٠).

(٣) عن ميمون بن مهران قال: بولُ البَهِيمَةِ والإنْسَانِ سواءٌ.

(الكتاب المصنف ١/١٠٩).

(٤) عن ابى امامة عن النبى صلى الله عليه وسلم: قالَ إِتَّقوا البوْلَ فَإِنَّه أَوّلُ مَايُحَاسَبُ بِهِ العبدُ فى القبرِ. رواه الطبرانى فى الكبير. ورجاله موثقون.

(٥) مرَّ النبى صلى الله عليه وسلم على قَبْرَيْنِ، فقال: إنَّهما يُعَذَّبَانِ ومَايُعَذَّبانِ فِي كَبِيرٍ، أماهذا فكان لا يَسْتَنْزِهُ مِنَ البَوْلِ. (نسائى ٦)

Website: NewMadarsa.blogspot.com

''مثلہ'' کی وضاحت اور ائمہ کے مسالک

ان کو جو سزا دی گئی تھی اسکو ''مثلہ'' کہتے ہیں۔

''مثلہ'' کے معنی انسان یا جانور کے اعضاء تراش دینے کے ہیں، اگر حیوان کی طرف اسکی نسبت کی جائے، تو ناک، کان، شرمگاہ یا کسی عضو کو کاٹ دینے کے ہیں، غرض مثلہ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک تو نہایت شدید درجہ کی ایذاءرسانی کہ کسی شخص کو زندہ رکھتے ہوئے، اس کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں، دوسرے اسکو بدہئیت بنا دینا اور صورت کا بگاڑ دینا ہے۔

اسلام سے پہلے قصاص لینے کا طریقہ یہ تھا کہ مقتول جس ایذاءرسانی کے ساتھ قتل کیا گیا ہو قاتل بھی اسی طرح قتل کیا جاتا تھا، اگر مقتول کے مختلف اعضاء کاٹ کاٹ کر پھر اسے قتل کیا گیا، یا اسے پتھر سے کچل کر ہلاک کیا گیا تو یہی سزا قاتل کو بھی دی جاتی تھی، شریعت اسلامی میں بھی ابتداء میں یہی حکم تھا، لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کے لیے یہ قاعدہ مقرر فرمایا کہ مقتول کسی بھی انداز سے قتل کیا گیا ہو، قاتل کی گردن صرف تلوار سے اڑادی جائے گی۔ **لاقود إلا بالسیف**۔ یہی احناف کا مسلک ہے۔

(قاموس الفقہ ۱/ ۲۹۲)

امام شافعی سے اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں (۱) یہ ہے کہ تحریق بالنار کے سوا، ہر جنایت میں قصاص بالمثل ہوگا۔ (۲) ہر جنایت میں قصاص بالمثل ہے سوائے اس قتل کے جو کسی دوسرے منکر کے ذریعہ کیا گیا ہو، مثلاً زنا یا لواطت۔ حنفیہ کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے ہے۔ (درس ترمذی: ۱/ ۲۹۲)

منی پاک ہے یا ناپاک

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَفْرُكُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھی۔

وضاحت:

منی سے مراد وہ چکنا آمیز مادہ ہے، جس سے انسان کی تولید عمل میں آتی ہے فقہاء کا خیال ہے کہ مردوں کا مادۂ منویہ سفید اور عورتوں کا رقیق اور زرد ہوتا ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ شہوت کے ساتھ منی نکلنے سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک منی ناپاک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک آدمی کی منی تو پاک ہے ہی، صحیح قول کے مطابق کتے اور سور کے سوا، تمام جانوروں کا مادۂ منویہ بھی پاک ہے امام احمدؒ سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے کی موافقت میں بھی اور امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق بھی، حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کی رائے احادیث سے قریب تر ہے، منی کی وجہ سے غسل کا واجب ہونا خود اس کے ناپاک ہونے کی دلیل ہے، اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے منی کا آپؐ کے کپڑے سے دھونا ثابت ہے اور کھرچنا بھی، اس طرح تمام روایتوں پر عمل ہوجاتا ہے۔ (قاموس الفقہ ۵ / ۱۴۴)

امام اعظمؒ:

Website:MadarseWale.blogspot.com

منی ناپاک ہے، اگر تر ہو تو دھونا ضروری ہے اور اگر خشک ہو تو کھرچنے سے

پاک ہوجائگی مگر شرط یہ ہے کہ کوئی ناپاک چیز اس میں نہ لگی ہو، ورنہ دھونا ضروری ہے، مثلاً منی کے ساتھ پیشاب کا قطرہ لگ گیا تو اب دھونا ضروری ہے

امام مالکؒ:

منی ناپاک ہے اور اس کا دھونا ضروری ہے، چاہے خشک ہو یا تر۔

امام شافعیؒ واحمدؒ:

منی پاک ہے، اس کا دھونا ضروری ہے نہ کھرچنا۔

حنابلہ اور شوافع کے دلائل:

عَنْ عَائِشَةَ: کنتُ أَفْرُکُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسولِ الله صلی الله علیه وسلم (٢) عبارت ترجمہ والی حدیث (٣) عن عائشة قالت: کنتُ أَفْرُکُ المنيَّ من ثوب رسول الله ﷺ إذا کان یَابِسًا. (دار قطنی ١/ ١٦٠)

شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ منی پاک ہے کیونکہ اگر ناپاک ہوتی تو ام المؤمنین اسکو دھوتیں حالانکہ آپ نے صرف اس کو کھرچ کر صاف کردیا معلوم ہوا کہ یہ پاک ہے۔

جواب:

حضرت الاستاذ مفتی محمد سلمان منصور پوری نے ہندیہ (١/ ٤٢) اور شامی (١/ ٥١٠) وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ناپاک چیزوں کو پاک کرنے کے لیے تقریبا انیس طریقے ہیں اس لیے صرف یہ سمجھنا کہ پاکی صرف غسل سے ہوتی ہے درست نہیں، بلکہ اس کی بہت ساری صورتیں ہیں مثلا: لَحْس یعنی دودھ پیتا بچہ دودھ پیتے وقت ماں کے پستان پر الٹی کردے، پھر اسے اچھی طرح چاٹ لے تو اسکے اس عمل سے پستان پاک ہوجاتی ہے اسی طرح ''فرک'' ہے یعنی سوکھی ہوئی گاڑھی منی کھرچنے سے پاک ہوجائیگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح غسل سے پاکی

حاصل ہوتی ہے اسی طرح اور بہت سے طریقے ہیں جن سے پاکی حاصل ہوتی ہے ان میں سے ایک فرک ہے یعنی کھرچنا اور ام المؤمنین نے اس کا استعمال کیا، علاوہ ازیں احادیث میں منی کو صاف کرنے کے لیے غسل کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے اور فرک والی احادیث بھی ہمارے خلاف نہیں۔

احناف اور مالکیہ کے دلائل:

عَنْ عَائِشَةَ ، أَنْ رَسُوْلَ اللہ صَلی اللہ علیہ وسلم کانَ إذا أصابَ ثوْبه مَنِيَّ غَسَلَهُ ثُمَّ يَخرُجُ إلی الصَّلاةِ وَأنا انظُرُ إلى بُقعَةٍ مِنْ أثَرِ الْغَسْلِ في ثَوْبه۔ صَحِيح (۲) عَنْ عائشة قالت: إن كنت لأتْبَعُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأغْسِلُهُ صَحِيحٌ۔ اخرجه الشَيْخانْ۔

(سنن الدار قطنی۔ ۱/۱۶۵)

(۳) عَنْ عائشةَ، قالت كنت أفْرُكُ الْمنِيَّ من ثوْبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا كانَ يَابساً وَأغْسِلُهُ إذا كانَ رطْباً۔

(سنن دار قطنی۔ ۱/۱۶۰)

(۴) أبو حَنيفة عَنْ حمادٍ ، عَنْ ابراهيمْ، عن همام بن الحارث ، أنَ رجلاً اضافَتْهُ عائشَةُ أمُ المؤمنين ، فأرْسَلَتْ إلَيْهِ بِمِلْحَفَةٍ، فالْتَحَفَ بِها الليْلَ فأصابَتْهُ جنابة، فَغَسَلَ الْمِلْحَفَةَ كُلَّها ، فقالت :ماأرادَ بِغسلِ الْمِلحفةِ، إنما كانَ يُجْزِيهِ أن يفْرُكهُ لقد كنت أفْرُک من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مسند أبي حنيفة ص: ۵۳) بيروت.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا شرعی حکم

عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مشى إلى سباطةِ قَوْمٍ فَبالَ قائماً وَعَنْ عائشَةَ، قالت :مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ رَسُوْلَ الله صلى الله عليه وسلم بالَ قائماً فلا تُصَدِّقُوْهُ ما كان يبوْل إلا جالِساً۔

فرمایا: آپؐ ایک قوم کی کوڑی پر گئے اور کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبیؐ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا، تو اسکی تصدیق نہ کرو، آپؐ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے،

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے پردگی کا اندیشہ ہے نیز اس سے بدن اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑسکتی ہیں اور یہ طریقہ متانت وقار کے خلاف ہے اور اچھی عادات کے منافی ہے، چنانچہ حضرت عمر سے مروی ہے کہ ایک بار وہ کھڑے ہوکر پیشاب کررہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس سے منع فرمایا (ترمذی۔ ۱/۹) نیز حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا گنوار پن ہے (ترمذی۔) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک بھی بیٹھ کر استنجاء کرنے کا تھا: ہاں اگر کوئی عذر ہو تو کھڑے ہوکر پیشاب کیا جاسکتا ہے، (کتاب الفتاوی۔ ۲/۷۰)

نوٹ:

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اس زمانے میں غیر

مسلمین کا شعار ہے اور کفار سے مشابہت اختیار کرنا حرام ہے اس لیے اب کھڑے ہوکر پیشاب کرنا حرام لغیرہ ہے اور فی نفسہ جائز ہے کراہت کے ساتھ۔ وجہ اس کی اصل میں یہ ہے کہ بعض حکم اختلاف زمانہ کی بنا پر بدل جاتے ہیں، مثلا دورِ صحابہ میں استنجاء میں صرف ڈھیلے پر اکتفاء درست تھا، کیونکہ ان کی قضائے حاجت مینگنی کی شکل میں ہوتی تھی اور وہ ادھر ادھر نہیں لگتی تھی، اور اب لوگ عمدہ غذا استعمال کرتے ہیں جسکی وجہ سے قضاء حاجت تر ہوتی ہے اور ادھر ادھر لگنے کا احتمال ہے اس لیے صرف ڈھیلے پر اکتفاء درست نہیں۔ (درس مشکوۃ)

اختلاف الآئمہ فی ھذہ المسٔلة

امام اعظمؒ وشافعیؒ:

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے

امام احمدؒ:

مطلقاً جائز ہے۔ دلیل: عبارت ترجمہ والی حدیث حذیفہؓ۔

امام مالکؒ:

اگر پیشاب کی چھینٹے جسم کپڑے وغیرہ پر آنے کا اندیشہ ہو تو مکروہ ورنہ کوئی حرج نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے اسکی وجوہات

(۱)لبیان الجواز (۲)لأجل العذر (۳)للاستشفاء عن وجع الصلب کذا قال الامام الشافعی علیہ الرحمۃ (۴)لعدم وجدان مکان طاھر للقعود۔ کذا فی البذل ملخصاً منه (۱/۲۴۸).

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دونوں حدیثوں میں جو بظاہر تعارض ہے اسے دور کیجیے

محدثین نے دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ بیان کر رہی ہیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کا واقعہ بیان کر رہے ہے، اور ایک دفعہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، عادت مستمرہ کے منافی نہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو قیام کی مطلقاً نفی کی ہے وہ ان کا علم گھر کے اعتبار سے ہے (حاشیہ مشکوۃ ص ۴۳)

بول الصبی قبل الطعام

عَنْ أَبِي السَّمْحِ قَالَ: قَالَ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم :یُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ.

فرمایا کہ لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے، اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹیں ماری جائیں

بول الصبی قبل الطعام

امام اعظمؒ و مالکؒ:

فرماتے ہیں کہ اگر شیر خوار بچہ پیشاب کر دے تو کپڑے کو دھونا ضروری ہے البتہ دھونے میں مبالغہ کی ضرورت نہیں بلکہ غسل خفیف کافی ہے۔

امام شافعیؒ و احمدؒ

فرماتے ہیں کہ اگر شیر خوار بچہ پیشاب کر دے تو اس پر چھیٹیں مارنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا اہتمام کے ساتھ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

دلائل:

عن عليٍ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال فی الرَّضِیْعِ یُغسَلُ بَوْلُ الْجَارِیَۃِ وَیُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ

(۲) عبارت ترجمہ والی حدیث۔

(۳) عن لبَابَۃَ بنت الحَارث: أن: الحسینَ بنَ عليٍ، بال علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلتُ: أعْطِنِیْ ثَوْبَکَ أغْسِلْہُ فقال: إنما یُغْسَلُ مِنَ الانثی، ویُنضَحُ من بَوْلِ الذَّکَرِ. (طحاوی شریف۔ ۱/۱۷۲)

جواب:

نضح غسل خفیف کے معنی میں ہے، چھینٹیں مارنے کے معنی میں نہیں۔ اسکی دو دلیلیں ہیں (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: فلینضح فرجہ۔ تو دیکھیے یہاں "نضح" سے غسل ہی مراد ہے بالاتفاق۔

دوسری دلیل: ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کیا کہ یا رسول اللہ! جس کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے آپؐ نے فرمایا:

Website:MadarseWale.blogspot.com

إذا أَصَابَ ثَوْبَ إحْدَا کُنَّ الدَّمُ مِنَ الحیضۃِ فَلْتَقْرُصْہُ ثم لتنضحہ بماءٍ الخ

یعنی جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے، تو اس کپڑے کو انگلیوں سے رگڑ کر ملے، پھر اس کو پانی سے دھوئے۔ دیکھیے یہاں بھی نضح غسل کے معنی میں ہے۔

احناف اور مالکیہ کے دلائل

عن عائشۃ قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُؤْتَی بالصِّبیَانِ

فَيَدْعُوْ لَهُمْ، فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ مَرَّةً فبال عَلَيْهِ فقال: صُبُّوْا عَلَيْهِ الماءَ صَبًّا۔

(۲) عن عائشة أن النبی صلی اللہ علیه وسلم وَضَعَ صبيًا فی حَجَرِهٖ، فحنكه فبال عليه فدعا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهٗ (بخاری۔ ۲/۸۸۸)

(۳) عَنْ عائشَةَ زوج النبی صلی الله عليه وسلم أنها قالت: أُتِیَ رسول الله صلی الله عليه وسلم بِصَبِیٍّ فَبَالَ علی ثوبه، فَدعا رسول الله صلی الله عليه وسلم بماء فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ۔ (مؤطا امام مالک علیہ الرحمۃ ص: ۳۷ بیروت)

(۴) ماکول اللحم والے مسئلہ میں جو احناف اور مالکیہ کے دلائل ہیں وہ سب اس میں شامل کرلو۔

مسح علی الخفین

عَنْ زِرٍّ قال سألْتُ صفوانَ بْنِ عَسّالٍ عَنِ المَسْحِ عَلى الْخُفَّيْنِ فَقالَ: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرنا إذا كنا مسافِرِيْنَ أَنْ نمسَحَ على خِفَافِنا ولا نَنْزِعها ثلاثة أيامٍ مِنْ غائطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ إلا مِنْ جَنابَةٍ۔

کہتے ہیں کہ میں نے صفوان بن عسال سے مسح خفین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم فرماتے جب ہم مسافر ہوتے کہ ہم اپنے موزوں پر مسح کریں اور یہ کہ ہم نہ نکالیں ان کو تین دن بول و براز یا سونے سے مگر جنابت سے یعنی غسل جنابت کے وقت اتاریں کیونکہ اس حالت میں مسح علی الخفین درست نہیں۔

وضاحت:

یہ بات واضح رہے کہ امام مالکؒ جمہور کی طرح مسح علی الخفین کے قائل تو ہیں البتہ وہ بغیر توقیت کے قائل ہیں یعنی جب تک خفین پہنے رہو مسح کرتے رہو، جبکہ

جمہور کے نزدیک تحدید ہے یعنی مقیم ایک رات ایک دن اور مسافر تین دن تین رات اور ان کی دلیل حدیث حضرت صفوان بن عسال والی حدیث ہے جسکی وضاحت حسب ذیل ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میرے دل میں تردد پیدا ہوا کہ بول و براز کے بعد موزوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں اس لیے میں نے حضرت صفوان بن عسال سے پوچھا کہ آپ صحابی رسول ہیں اس بارے میں آپ نے حضورؐ سے کچھ سنا ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ سفر کی حالت میں ہم کو حکم کرتے کہ ہم اپنے موزوں پر مسح کریں تین دن تین رات تک اور اس دوران جنابت کے علاوہ یعنی بول و براز نیز نیند کی وجہ سے نہ نکالیں۔ بہر کیف اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین میں تحدید ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ حدیث صفوان بن عسال توقیت فی المسح کے سلسلے میں اصح ہے۔

توقیت في المسح

جمہور:

Website:NewMadarsa.blogspot.com

کے نزدیک مقیم کے لیے تین دن تین رات، اور مسافر کے لیے ایک دن ایک رات تک مسح علی الخفین کی اجازت ہے۔

امام مالکؒ اور لیث بن سعدؒ:

کا مسلک یہ ہے کہ مسح کے لیے کوئی مدت نہیں، جب تک بھی خفین پہنے رہے ان پر مسح کرسکتا ہے۔

دلائل:

یا رسول اللہ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ، قال نعم، قال: یوماً قال: یوماً قال

وَيَوْمَيْنِ قال ويومين، قال وثلاثة، قال نعم وما شئت. (ابو داؤد ص ۲۱)

(۲) عَنْ خُزَيْمَةَ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: المسح على الخفَّيْنِ للمسافرِ ثلاثةَ أيام وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً... وَلَوْ اسْتَزَدْنَاه لَزَادَنَا. (ابو داؤد. ۲۱).

جواب:

پہلی حدیث ضعیف ہے۔ قال الامام ابو داؤد: لیس هو بالقوی.
(معارف السنن ۵/۳۳۳).

دوسری حدیث میں جو (لو استزدناہ لزادنا) کی زیادتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی صحیح نہیں ہے (۲) یہ محض راوی کا گمان ہے جو شرعاً حجت نہیں۔
فإِنَّمَا هُوَ ظَنٌّ مِنَ الرَّاوِیْ وَالظَّنُّ لا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً. (فتح الملھم ۳/۳۵)

جمہور کے دلائل:

عَن شُرَيْحِ بنِ هانئٍ، قال اتيت عائشة اسألها عن المسح على الخفينِ فقالت عليك بابنِ ابی طالب فاسأله فإنه كان يسافر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألناه فقال جَعَلَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم ثلاثةَ أيامٍ ولياليهنَّ للمُسافرِ وَيَوماً وَلَيلةً للمُقيمِ۔ (مسلم ۱/۱۳۵)

(۲) أنَّه رَخَّصَ للمُسافِرِ ثلاثةَ أيامٍ ولياليهنَّ، وَللمقيم يوماً وليلةً إذا تطَهَّرَ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ أنْ يَمسح عَلَيْهما. (دار قطنی ۱/۲۷۰ بیروت)

(۳) أنّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم أمرنا بالمسح على الخُفَّين فی غزوة تبوک ثلاثةَ أيامٍ ولَيَالِيهِنَّ، وللمقيم يوماً وليلةً (دار قطنی. ۱/۲۷۳)

(۴) قال عمرُ: سمعتُ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يأمُرُ بِالْمَسْحِ على ظَهْرِ الخفِ ثَلاثَةَ أيامٍ وَلياليهنَّ، وَللمقيم يوماً وليلةً۔ (دار قطنی: ۱/۲۷۳)

(۵) عبارت ترجمہ والی حدیث ۔ یہ تمام حدیث بالکل واضح ہیں کہ مسح علی الخفین کے اندر تحدید ہے کہ مسافر تین دن تین رات تک مسح کرے اور مقیم ایک دن ایک رات تک مسح کرے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مسح علی الخفین

جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسح علی الخفین جائز ہے، شیعہ امامیہ اور خوارج مسح علی الخفین کے جواز کے قائل نہیں۔

دلیل خوارج وغیرہ:

وَامسحُوا بِرُؤُسِکم وَارجلکم ۔ (سورۃ مائدہ) وجہ استدلال یہ ہے کہ "وارجلکم" کا عطف "رؤسکم" پر ہے، اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اپنے سر اور پیروں پر مسح کرو، اس طرح وضو میں مسح رجلین کی فرضیت ثابت ہوتی ہے نا کہ مسح خفین کی، نیز پورے قرآن میں کہیں بھی مسح علی الخفین کا تذکرہ نہیں، اور جن احادیث میں مسح علی الخفین کی صراحت ہے وہ سب منسوخ ہیں مذکورہ آیت سے یعنی آیت وضو سے خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ خوارج اس آیت سے مسح رجلین ثابت کرتے ہیں جر والی قرأت سے اور مسح علی الخفین کا انکار کرتے ہیں۔

جواب:

واضح رہے کہ "وارجلکم" میں دو قرأتیں ہیں (۱) قرأت نصب (۲) قرأت جر پہلی قرأت کی بنا پر "وارجلکم" کا عطف "ایدیکم" پر ہوگا اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھویا کرو اس قرأت سے غسل رجلین ثابت ہوتا ہے جو اہل سنت کا مسلک ہے دوسری قرأت بکسر الام کی ہے اور اس صورت میں "ارجلکم" کا عطف لفظ "رؤسکم" پر ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے سر اور پیروں پر مسح کرو، یہ

شیعہ امامیہ کا موقف ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قرأتیں متواتر ہیں اور بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں اور کلام خداوندی میں تعارض ناممکن ہے اور یہ بات محال ہے کہ وقت واحد میں دو مختلف اور متضاد چیزیں اللہ تعالی کے نزدیک مراد ہوں لہذا غسل رجلین او مسح رجلین میں سے ایک ہی معنی مراد ہونگے، رہا یہ امر کہ کون سے معنی مراد ہیں تو اس اجمال اور اشتباہ کو دور کرنے کے لیے احادیث نبویہ تعامل صحابہ وتابعین کی طرف رجوع کرنا ہوگا، احادیث نبویہ، تعامل صحابہ وتابعین، احادیث متواترہ صحیحہ اور صریحہ سے غسل رجلین ثابت ہے نا کہ مسح رجلین۔ بلکہ آپ نے غسل رجلین میں کوتاہی کرنے والوں کو سخت عذاب کی دھمکی دی، فرمایا: وَيۡلٌ لِلۡأَعۡقَابِ مِنَ النَّارِ.

اور غسل رجلین پر تمام صحابہ کا اجماع ہے (فتح الباری)

(۲) ٹھیک ہے کہ ''ارجلکم'' کا عطف ''رؤسکم'' پر ہے لیکن معنیً اسکا عطف ''وجوھکم وایدیکم'' پر ہے۔ اور ارجل اعضائے مغسولہ کے ساتھ وجوہ غسل میں شریک ہیں، اور رہا مسئلہ کہ پھر ''ارجلکم'' مجرور کیوں ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ''برؤسکم'' کے قرب اور مجاورت کی وجہ سے مجرور ہے اور ''جر جوار'' محاورہ عرب میں شائع اور ذائع ہے اور خود قرآن میں اسکی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً ''عذابُ یومٍ الیمٍ'' کے اندر ''الیم'' اصل میں صفت ہے عذابٌ کی مگر یومٍ کے جوار کے وجہ سے مجرور ہے۔ (۲) ''عذابُ یومٍ محیط'' کا جر محض مجاورت اور مقارنت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ ''محیطٌ'' فی الحقیقت ''عذابٌ'' کی صفت ہے وما الی ذلک۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قرأتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ہر قرأت میں ایک جداگانہ حالت کا حکم ہے قرأت جر جس سے مسح قدمین معلوم ہوتا ہے یہ حکم اس حالت میں ہے کہ جب قدمین پر خفین ہوں، اور اس کے ہم بھی قائل

ہیں، اور اگر پیروں میں خفین نہ ہوں تو ایسی حالت میں غسل رجلین فرض ہے

(۴) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ''ارجلکم'' کا عطف رؤس پر ہے لیکن حکم دونوں کا مختلف ہے اس لیے کہ کلام عرب میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئی کا دوسری شئی پر عطف ہوتا ہے مگر حکم میں دونوں مختلف ہوتے ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی ۲ / ۴۵۵)

(۵) احادیث متواترہ سے کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے۔

جمہور کے دلائل

(۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ أبي وقاص عَنْ النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه مسح علی الخفین (بخاری ۱ /۳۳)

(۲) فقال اسبغو الوضوء فإن أبا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم قال ویل للأعقاب من النار۔ (بخاری ۱ /۲۸)

(۳) توقیت فی المسح کے بارے میں جو جمہور کے پانچ دلائل ہیں ان کو بھی شامل کرلو

(۴) ثبت المسح علی الخفین بالاحادیث المستفیضة عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قولا و فعلا، حتی بلغ ذلک مبلغ التواتر و الشهرة۔

(فقه الحنفی ۱ /۹۲)

(۵) حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: حدثنی سبعون من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؑ أنه کان یمسح علی الخفین (معارف السنن)

خفین کے اوپر اور نیچے مسح کرنے کا بیان

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین اعلی اور اسفل دونوں جانبوں میں ہوگا، امام مالکؒ کے نزدیک تو جانبین میں مسح واجب ہے اور امام شافعیؒ

اعلی کو واجب اور اسفل کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

دلیل: عن المغيرة بن شعبة ان النبی ﷺ مسح أعلى الخفِ واسفله (ترمذی۔ ۱/۲۸)

احناف وحنابلہ: کے نزدیک اعلی الخف کا مسح ضروری ہے۔ اور اسفل خف کا مسح مشروع نہیں۔

دلائل: عن المغيرة بن شعبة قال: رأيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يَمْسَحُ الْخُفَّيْنِ عَلى ظَاهِرِ هِمَا. (۲) عن عليٍ قال: لَوْ كان الدِين با لرَّأيِ لكانَ اسفَلُ الخفِ أولٰی بِالمسحِ من أعلاه وقد رأيتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يمسحُ على ظاهِرِ خُفَّيه. (ابو داؤد ص ۳)

شوافع اور مالکیہ کی دلیل کا جواب

یہ حدیث معلول ہے یعنی ایسی حدیث جس میں کوئی علت قادحہ پائی جائے علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مسند بزار میں ساٹھ طریقوں سے منقول ہے، لیکن حدیث باب کے سوا کسی بھی روایت میں اسفل خف پر مسح کرنے کی صراحت نہیں ہے (۲) دراصل آپ ﷺ نے صرف اعلی خف پر مسح کیا تھا، لیکن کسی وجہ سے اسفل خف کو بھی پکڑا جسکو راوی نے مسح علی الاسفل سے تعبیر کر دیا۔

(مستفاد درس ترمذی جدید ۱/۴۲۵)

مس مرأۃ ناقض وضو ہے یا نہیں

عَنْ عائشَةَ قالتْ: كنتُ أنامُ بَيْنَ يَدَي رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَرِجلايَ فِي قِبلَتِه، فَإِذا سَجدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجلَيَ، فَإِذا قَامَ بَسَطْتُهمَا

وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سوتی رہتی تھی، اور میرے پیر قبلہ کی جانب رہتے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سجدہ کرتے تو میرے پیر دباتے، تو میں پیر سمیٹ لیتی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوجاتے تو میں پیر پھیلا لیتی، اور اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

مس مرأۃ ناقض وضو ہے یا نہیں؟

حنفیہ کے نزدیک مس مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے مطلقا، الا یہ کہ مباشرت فاحشہ ہو یعنی مذی نکل آئے، تو اس صورت میں ناقض وضو ہے۔

شوافع:

کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق مس مرأۃ مطلقا ناقض ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، محرم ہو یا غیر محرم، شہوت ہو یا نہ ہو البتہ بلا حائل کے ہو۔

مالکیہ:

Website:NewMadarsa.blogspot.com

ان کے نزدیک تین شرائط کے ساتھ موجب وضو ہے (۱) کبیرہ ہو (۲) اجنبیہ ہو (۳) مس بالشہوت ہو۔

حنابلہ:

ایک روایت حنفیہ کے مطابق، دوسری شوافع اور تیسری مالکیہ کے مطابق ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

ان کا اصل استدلال قرآنی آیت وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُو

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِنْهُ (سورہ مائدہ) اور اگر تم مریض ہو جاؤ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بول براز سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے عورتوں کو چھولیا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں یہ حکم بیان فرمایا کہ اگر تم نے کسی عورت کو چھولیا، اور تمہارے پاس وضو کرنے کے لیے پانی نہیں ہے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اس سے معلوم ہوا کہ مس مرأۃ ناقض وضو ہے۔

جواب:

لمستم: ملامست سے کنایہ جماع ہے۔ صحابہ، تابعین، لغت سب سے یہی ثابت ہے ۔ يكنى بالملامسة عن الجماع (راغب) الملامسة هنا الجماع (قرطبی) قال علی وابن عباس رضی اللہ عنہ وابو موسی رضی اللہ عنہ الحسن وعبيده علیہ الرحمۃ والشعبی علیہ الرحمۃ هی كناية عن الجماع (جصاص) فمن قرأ أو لمستم فظاهره الجماع لا غير، لأن المفاعلة لا تكون إلا من اثنين إلا في أشياء نادرة (تفسیر ماجدی ۱/۱۶۴)

نیز آیت میں مقصود تیمم کا بیان ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ تیمم حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں سے ہوسکتا ہے أو جاء احد منكم من الغائط سے حدث اصغر کو بیان کیا اور حدث اکبر کے لیے أو لامستم کے کنائی الفاظ استعمال کئے أو لامستم کو بھی حدث اصغر پر محمول کرلیا گیا تو یہ آیت حدث اکبر کے بیان سے خالی رہ جائے گی۔ (المسح المحمود)

احناف کے دلائل

(۱) أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل بعض نسائہ ثم یصلی

ولا یتوضأ۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی۔ واسنادہ صحیح۔ (المعتصر ۲۲)

(۲) عبارت ترجمہ والی حدیث۔ یہ رواہ الشیخان ہے۔ (بخاری۔۱/ ۷۳)

(۳) عن عائشة قالت فقدتُ رسول اللہ ﷺ لیلةً من الفراش فَالتَمَسْتُه فَوَقَعَتْ یدی علی قَدِمَہ وھو فی المسجدِ وھما منصوبتان.
(مسلم شریف. ۱/۱۹۲)

(۴) عن ابن عباس قال لیس فِی الْقُبْلَةِ وُضُوْءٌ. صحیح.
(دار قطنی. ۱/۱۸۸).

(۵) عن عطاءٍ قال لیس فی القُبلة وضوء ھذا ھو الصّواب.

(٦) أن النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یُقَبِّلُ بَعْدَ الوضُوْءِ ثُمَّ یُصَلِّی.

(دار قطنی: ۱/۱۸۵)

وضاحت:

یہ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے، اسی وجہ سے امام بخاری نے اسکو نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ جب سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو ہاتھ سے میرے پاؤں کو دباتے، تاکہ میں اپنے پاؤں سمیٹ لوں، اس زمانہ میں گھروں کے اندر چراغ وغیرہ نہیں ہوتا تھا اس لیے حضرت عائشہؓ کو آپؐ کے سجدہ کا ادراک نہیں ہو پاتا تھا اس روایت سے معلوم ہوا کہ مس مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے، چونکہ آپ نے حضرت عائشہ کو چھوکر وضو نہیں فرمایا، اسی طرح یہ حدیث، کان یقبل بعض ازواجہ ثم یصلی ولا یتوضا۔ سے ہماری تائید ہوتی ہے اور بوسہ عموماً شہوت کے ساتھ ہوتا ہے، نیز دوسری حدیث میں حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں نے آپ ﷺ کو بستر پر نہیں پایا تو میں نے آپ کو تلاش کیا تو

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوے پر پڑا، یعنی اس وقت آپ سجدے کی حالت میں دعاء کررہے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کا ہاتھ لگ جائے، تو مرد کا وضو نہیں ٹوٹتا۔

حدیث قلتین

عن عبد اللہ بن عمر قال: سُئِلَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنِ المَاءِ وَمَا يَنُوْبُه مِنَ الدَوابِ والسِبَاعِ، فقال: إذا كان الماءُ قُلَّتَينِ لَمْ يَحْمَلِ الْخُبثَ.

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا جو جنگل اور بیابان میں ہوتا ہے اور اس پانی سے چوپائے درندے پیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پانی دو قلہ ہو جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہوتا ہے یا نہیں

امام مالک رحؒ:

فرماتے ہیں کہ پانی قلیل ہو یا کثیر نجاست گرنے سے اس وقت ناپاک نہیں ہوتا، جب تک کہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف تبدیل نہ ہو جائے۔

ظاہریہ:

کہتے ہیں کہ پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا پانی جاری ہو یا ٹھہرا ہو کم ہو یا زیادہ، خواہ رنگ، بو یا مزہ بدلے یا نہ بدلے، پانی کی ذات پاک ہے، وہ ناپاک نہیں ہو سکتا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۲۰۵)

احناف محدثین اور فقہاء:

کہتے ہیں کہ اگر پانی کثیر ہے تو ناپاک نہیں ہوگا، البتہ اگر پانی کا کوئی وصف بدل جائے تو ناپاک ہو جائے گا، اور اگر پانی تھوڑا ہے تو فورا ناپاک ہو جائے گا اگر چہ اس کا کوئی وصف نہ بدلے۔

پھر ائمہ اربعہ میں قلیل اور کثیر کی تحدید میں اختلاف ہے

امام مالکؒ:

کے نزدیک اگر ناپاکی گرنے سے پانی کا کوئی وصف نہ بدلے تو وہ کثیر ہے، او راگر کوئی وصف بدل جائے تو وہ قلیل ہے۔

امام شافعیؒ واحمدؒ:

کے نزدیک قلتین کی مقدار کثیر ہے، اور اس سے کم قلیل ہے۔

امام اعظمؒ:

کے نزدیک قلت وکثرت کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، بلکہ آپ نے اس کو مبتلی بہ کی رائے پر چھوڑا ہے، البتہ عوام الناس کی سہولت کے لیے متأخرین نے دہ دردہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ظاہریہ کی دلیل:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا (۲) اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ.

امام مالکؒ کی دلیل:

الماء طهور لا ينجسه شئ۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ماء قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں، ہر پانی کا یہی حکم ہے کہ اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، یعنی

صرف نجاست کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ناپاکی کے لیے تغیر وصف ضروری ہے، کیونکہ دار قطنی میں حدیث بئر بضاعہ کی تخریج، الإ ما غلب علی طعمه أو لونه أو ریحه، کے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ہوئی ہے، اسی وجہ سے امام مالکؒ نے تغیر وصف کی قید لگائی۔

جواب:

أن بئر بضاعة كانت في حكم الماء الجاري ، وكلامنا في الماء اليسير وأسند الواقدي: انها كانت طريقا للماء إلى البساتين۔

یعنی بئر بضاعہ کا پانی ماء جاری کے حکم میں تھا، کیونکہ اس سے باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا، نیز اگر اسکو ماء جاری نہیں مانا جائے تو ہماری دلیل اور مضبوط ہوگی، اس لیے کہ جب اسمیں جیف وحیض وغیرہ سب پڑے رہتے تھے، تو تمام کنواں اس سے بھر جانا چاہیئے تھا، اور تمام نجاست پانی پر غالب آجاتی، حالانکہ ایسا کہیں ثابت نہیں معلوم ہوا کہ یا تو وہ بڑا تھا یا ماء جاری تھا۔

امام شافعیؒ اور احمدؒ کی دلیل:

ان کی عبارت ترجمہ والی حدیث ہے جسمیں ہے کہ جب پانی دو قلہ ہو تو نجاست سے متاثر نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ دو قلہ پانی کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔

جواب:

یہ حدیث بہتے ہوئے پانی سے متعلق ہے یعنی جنگلات میں جو چشمے اور آبشارے ہیں ان سے حدیث کا تعلق ہے۔ حدیث کے شان ورود میں اسکی صراحت ہے کہ ان پانیوں پر دن میں لوگوں کے جانور پانی پینے کے لیے آتے ہیں، اور رات میں جنگل کے درندے وارد ہوتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ

جب پانی بتدریج جمع ہوتا ہوا دو مٹکے ہو جائے ، اور بہنے لگے تو اس میں جو ناپا کی گرے گی وہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ جائے گی ، پانی کی سطح پر نہیں ٹھہرے گی ناپا کی کو سر پر نہ اٹھانے کا یہی مطلب ہے، اور جب ناپا کی گرتے ہی بہہ جائے گی تو اس چشمہ اور آبشار کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳/ ۲۸۵)

(۲)أنه حديث مضطرب الإسناد والمتن ، فمدار الحديث على الوليد بن كثير ، فقيل عنه عن محمد بن جعفر بن الزبير وقيل عنه عن محمد بن عبادة بن جعفر ، وقيل عنه عن عبد الله بن عمر ، وقيل عنه عن عبيدالله بن عمر، وهذا إضطراب في الاسناد:

وقدروي أيضاً بلفظ : (إذا كان الماء قدر قلتين أثلاث لم ينجس) وبلفظ : (إذا بلغ الماء قلة فإنه لا يحمل الخبث وبلفظ : أربعين قلة، وهذا إضطراب في المتن.

(۳)الاختلاف في مقدار القلتين يمنع من العمل به.

(الفقه الحنفي. ۱/ ۳۳)

احناف کے دلائل:

والدليل على أن الماء الكثير لا يتنجس إلا بظهور أثر النجاسة فيه۔

(۱)قال رسو الله صلى الله عليه وآله وسلم: لا يُنَجِسُ الماءَ إلّاَ ما غيَّرَ طَعْمَهُ أوْ رِيحَهُ

(دار قطنی ۱/ ۲۶).

(۲)قال عليه الصلاة والسلام: الماءُ طهورٌ إلا ما غلب على رِيحِهِ أوْ على طَعْمِهِ. (دار قطنی ۱/ ۲۶)بیروت

والدليل على أن الماء القليل يتنجس بوقوع النجاسة فيه ، ولو لم

Website:MadarseWale.blogspot.com

تتغير أو صافه۔

(۱) قوله عليه الصلاة والسلام: إذا ولغ الكب في إناء أحدكم فليهر قه، ثم ليغسله سبع مرات (رواه الشيخان۔ ۱/۱۳۷)

وهذا يدل على تنجس الماء بولوغ الكلب فيه، مع أن الماء لا يتغير شئ من أو صافه بذلك، فدل على أن الماء القليل يتنجس بملاقاة النجاسة، تغير أم لا۔

(۲) قال عليه الصلاة والسلام: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، الذي لا يجري، ثم يغتسل فيه (رواه البخارى ۱/۳۷)

فمنع من الإغتسال بالماء الذي وقعت فيه النجاسة، ولو لم تتغير أو صافه

(۳) عن أبى هريرة أن النبی ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثاً، فإنه لا يدري أين باتت يده۔
(مسلم ۱/۱۳۴)

فأمر بغسل اليد احتياطاً من نجاسة أصابتها أثناء النوم و منع من غمسها في الإناء قبل الغسل، ومعلوم أن هذه النجاسة لا تغير ماء الإناء، ولو أنها مفسدة للماء عند التحقيق، لما كان للأمر بالاحتياط معنى.
(الفقه الحنفي في ثوب الجديد ۱/۳۲)

وضاحت:

حدیث قلتین پر مالکیہ نے عمل کیا ہے اور نہ ہی حنفیہ نے؛ حنابلہ اور شوافع نے اس حدیث پر عمل کیا، ان حضرات نے اس حدیث کی بناء پر قلتین کو کثیر اور قلیل پانی کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک طہارت ونجاست کے درمیان اوصاف کی تبدلی حد فاصل ہے اگر اوصاف بدل گئے تو ناپاک ہے اور اگر پانی اپنے

اوصاف پر قائم ہے تو پانی کم ہو یا زیادہ ہر حال میں پاک رہے گا۔ احناف غالب رائے کا اعتبار کرتے ہیں البتہ متاخرین نے عام لوگوں کی سہولت کے لیے دہ دردہ کی تحدید کا اعتبار کیا، نیز کثیر و قلیل کا فرق کرتے ہیں، ماء کثیر میں تغیر اوصاف کو دیکھتے ہیں، لیکن وہ پانی جس کی مقدار قلیل ہو، اسمیں نجاست گرنے سے تغیر اوصاف ہو یا نہ ہو پانی فوراً ناپاک ہوجاتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب کتا کسی برتن میں منھ ڈال دے، تو اس پانی کو گرادو اور سات مرتبہ دھولو؛ ظاہر بات ہے کہ کتے کے صرف منھ ڈالنے سے پانی کے اوصافِ ثلاثہ نہیں بدلتے، لیکن اسکے باوجود پانی کو گرادینے اور برتن کو دھونے کا حکم فرمایا، معلوم ہوا کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے، تغیر اوصاف ہو یا نہ ہو۔

دوسری دلیل: حدیث میں ماء دائم میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے، کہ پیشاب کر کے اس کو ناپاک نہ کیا جائے اور ٹھہرا ہوا پانی عموماً قلیل ہی ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ تھوڑا پانی نجاست گرتے ہی ناپاک ہوجاتا ہے۔

Website:NewMadarsa.blogspot.com

نوٹ:

دو قلے پانی دوسو چار لیٹر ہوتا ہے (قاموس الفقہ ۴ / ۵۲۴)
اور المھذب فی الفقہ الشافعی میں یہ لکھا ہوا "والقلتان خمسمائۃ (پانچ سو) رطل بالبغدادی" (۱/۱۷)

توقیت کے مرادی معنی:

تحدید کے ہیں، یعنی پانی ناپاک ہونے کی کوئی حد ہے یا نہیں

الاختلاف فی النوم

عن ابنِ عبّاسٍ قَالَ: صلّیتُ مع النبی ﷺ ذات لیلۃٍ فَقُمتُ عنْ

يَسارہ فجعلني عن يَمِينِهٖ فَصَلّٰی ثُمَّ اضطَجعَ وَرَقَدَ فجاءَہ المؤَذِّنُ فصلی ولم يَتوَضَّأْ، مختصر.

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، میں آپ علیہ السلام کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نماز کے دوران ہی مجھے اپنی داہنی جانب کرلیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیٹے اور سو گئے، پھر اس کے بعد مؤذن آیا (اور آکر آپ کو نماز کی خبر دی) چنانچہ آپؐ نے نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا، یہ روایت یہاں مختصر بیان کی گئی ہے۔

وضاحت:

''نوم'' کے معنی نیند کے ہیں، جس کی کیفیت معروف ہے۔ عربی زبان میں نیند کے مختلف درجات کے لیے الگ الگ الفاظ ہیں، صرف اونگھنے کی کیفیت جس میں آدمی کا سر جھولنے لگتا ہے ''نعاس'' کہلاتا ہے، ایسا سونا کہ آنکھیں بند ہوں لیکن دل میں غفلت کی کیفیت نہ پیدا ہوئی ہو ''سنہ'' ہے (سنۃ ولا نوم) اور ایسی نیند جس میں آنکھ بھی بند ہو جائے اور قلب بھی غافل یعنی گہری نیند کو ''نوم'' کہتے ہیں یہ حدیث نسائی میں مختصر ہے، دوسری جگہ مفصل ہے، ابن عباسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدے کی حالت میں سوتا ہوا دیکھا، تو عرض کیا! اے اللہ کے رسول! آپ نماز میں سو گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا نماز میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا: وضو کروٹ پر لیٹنے سے واجب ہوتا ہے، کیونکہ اس وقت بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، یہ حدیث دلیل ہے کہ نوم علی ھیئۃ لصلاہ ناقض وضو نہیں ہے دراصل ابن عباسؓ نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گزاری، اور اسی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات کو بھی دیکھا، اور آپ نے پھر اس واقعہ کو کسی سے مفصل بیان کیا، اور کسی سے مختصر۔

الاختلاف في النوم

نوم مطلقاً غیر ناقض وضو ہے؛ یہ ابن عمرؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کا مسلک ہے۔

دلیل:

كان أصحاب رسول الله ﷺ ينامون ،يصلون و لا يتوضأون۔ مسلم

جواب:

هذا محمول على حال القعود ،و من نام جالساً و مقعدته متمكنة على الأرض ،لا ينتقض وضوء عندنا

(۲) یہ واقعہ ان صحابہ کرام کا ہے جو نماز کے انتظار میں بیٹھتے تھے، اور ہلکی سی نیند آجاتی تھی، اور ایسی نیند غیر ناقض وضو ہے بلاشبہ، کیونکہ یہ نیند نماز عشاء کے انتظار میں تھی، اور ظاہر ہے کہ نماز کے انتظار میں نوم کثیر کا ہونا مشکل ہے، بلکہ ایسے مواقع پر عموماً نوم قلیل آتی ہے۔

حسن بصریؒ اور امام اوزاعیؒ:

کہتے ہیں کہ نوم مطلقاً ناقض وضو ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سفراً أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَ لَيَالِيهِنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ، وَ لٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَ بَوْلٍ وَ نَوْمٍ.

وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث میں ان احداث کا ذکر کیا، جن کی وجہ سے موزے نہیں اتارے جاتے ہیں، اور نوم کو اسی دوسری قسم میں شمار کیا کہ پیشاب و پائخانہ اور سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہذا جس طرح بول و براز سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح نوم سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ قلیل ہو یا کثیر (۲) قال رسول الله ﷺ وكاء السه العينان، فمن نام فليتوضا. ابو

داؤد۔ اس حدیث میں قلیل وکثیر کا کا کوئی فرق نہیں، لہذا نوم مطلقاً ناقض وضو ہے۔

ائمہ اربعہ:

کہتے ہیں کہ گہری نیند ناقض وضو ہے، جس سے جسم کے تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جا تے ہیں، اور خروج ریح کا احتمال پیدا ہوجاتا ہے، یعنی اصل ناقض تو خروج ریح ہے، مگر گہری نیند کی حالت میں چونکہ اس کا احساس نہیں ہوسکتا، اس لیے شریعت نے سبب ظاہری (گہری نیند) کو سبب حقیقی (خروج ریح) کے قائم مقام کردیا ہے،

پھر ان میں بھی اختلاف ہے، وہ اس طرح ہے۔

شافعیہ:

کے یہاں متمکنا مقعدتہ ناقض نہیں، یعنی اگر سرین زمین پر خوب جمے ہو ئے ہے تو ناقض نہیں اس کے علاوہ ہر نوم ناقض ہے۔

حنابلہ:

کے نزدیک یسیراً علی ھیئۃ الصلوٰۃ ناقض نہیں، یعنی نماز کی ہیئت جو کہ بہت قلیل ہوتی ہے، مثلاً رکوع سجود، قومہ جلسہ وغیرہ، اگر اس حالت میں نوم آجائے تو ناقض نہیں، اس کے علاوہ ہر نیند ناقض وضو ہے۔

مالکیہ:

کے نزدیک نوم ثقیل ناقض ہے، خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں، اور نوم غیر ثقیل ناقض نہیں ہے (مصباح القاری ۱/ ۱۷۸)۔

حنفیہ:

کے یہاں ہر ایسی نیند جس میں قوت ماسکہ (خروج ریح کو قابو رکھنے والی صلاحیت) زائل ہوجائے، اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور جو نیند ایسی نہ ہو اس سے وضو نہیں

ٹوٹتا۔ جیسے اگر کوئی شخص کروٹ پر یا چت سویا، یا کسی دیوار یا ستون یا آدمی وغیرہ کے سہارے سے اس طرح سویا کہ اگر وہ سہارا ہٹا لیا جائے تو سونے والا گر پڑے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ یہ ایسی نیند ہے جس سے قوت ماسکہ زائل ہو جاتی ہے۔

اور اگر اس طرح سویا جس سے قوت ماسکہ زائل نہیں ہوتی، مثلاً دوزانوں بیٹھے ہوئے سویا، یا چارزانوں سویا (بشرطیکہ سر ران سے الگ ہو) یا سرین پر بیٹھ کر دونو گھٹنے کھڑے کر کے سویا، یا قیام رکوع اور سجدے کی حالت میں سویا بشرطیکہ سجدہ مرد کی مسنون ہیئت پر ہو، تو ان سب صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (فقہی ضوابط۔ ۱/۲۸)

دلیل شافعیہ:

والأحداثُ التى تنقضُ الوضوءَ خمسةٌ: الخارجُ منَ السَّبِيْلَيْنِ، والنومُ، والغلبةُ على العقلِ بغَيْرِ النَّوْمِ، ولَمْسُ النِّسَاءِ، ومَسُّ الفَرَجِ؛

قال النووى: الصحيح في مذهبنا: أن النائم المتمكن مقعده من الأرض أو نحوها لا ينتقض وضوءه، وغيره ينتقض سواء كان فى صلاة أو غيرها وسواء طال نومه أم لا (المهذب فى الفقه الشافعى، ۱/۸۰)

دلیل حنابلہ:

إن النوم ينقض الوضوء فى جميع أحواله، إلا إذا كان يسيراً فى العرف وصاحبه جالس أو قائم. النوم ينقض الوضوء بنفسه حتى ولو وضع مقعدته على أى شيءيأمن معه خروج ريح إلا إذا كان النوم يسيرا۔

(كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ۱/۸۴)

دلیل مالکیہ

أما بسبب نومٍ مُسْتَثْقَلٍ وهو الذى يخالط القلب ويذهب العقل ولا

يشعر صاحبه بما فعل وهو إما طويل فينقض اتفاقا أو قصيز فينقض على المشهور، أن الخفيف الذى يشعر بأدنى سبب لا ينقض وهو كذالك مطلقا قصيرا كان أو طويلا لما في (مسلم) كان أصحاب ﷺ ينامون ثم يصلون ولا يتوضؤون كذا حمل (عياض) الحديث على الخفيف لكن يستحب من الطويل الوضوء (كفاية الطالب الربانى۔ ١/٢٥٥) بيروت

دلائل حنفیه

ينتقض الوضوء حكما بالنوم مع كمال الاسترخاء، إذا لم تكن مقعده النائم متمكنة على الأرض، ويدل على ذالك: عن صفوان بن عسال قال: كان رسول الله ﷺ يأمرنا إذا كنا سفرا أن لا ننزع خفافنا ثلاثة أيام ولياليهن إلا من جنابة ولكن من غائط وبول ونوم (مسلم)

(۲) عن ابن عباس مرفوعا: ليس على من نام ساجدًا وضوء حتى يضطجع، فإنه إذا اضطجع استرخت مفاصله (رواه احمد)

(۳) عن أبي هريرة قال: ليس على المحتبي النائم، ولا القائم النائم، ولا على الساجد النائم وضوء حتى يضطجع، فإذا اضطجع توضأ (رواه البيهقى)

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نوم ناقضِ وضو کیوں نہیں ہے؟

نومُ الأنبياءِ غيرُ ناقِضٍ: صرح في القنية بأنه من خصوصياتهم، ولذا ورد في الصحيحين ((أن النبى ﷺ نام حتى نفخ، ثم قام إلى الصلاة ولم يتوضأ)) لما ورد في حديث آخر إن عيني تنامان ولا ينام قلبي۔

(شامی۔ ١/٢٧٣) زكريا

اوران کے حق میں دیگر نواقض کا کیا حکم ہے؟

دیگر نواقض کا حکم عام لوگوں کی طرح ہے، یعنی جس طرح بول و براز وغیرہ سے عام لوگوں کا وضوٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا بھی وضوٹوٹ جاتا ہے۔

عمامہ پر مسح

عَنْ بِلَالٍ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَ الْخِمَارِ۔

ترجمہ:

حضرت بلالؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خفین اور عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

عمامہ پر مسح

امام مالکؒ واعظمؒ وشافعیؒ:

کے نزدیک صرف عمامہ پر مسح کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی، بلکہ سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔

امام احمدؒ وداؤد ظاہریؒ:

کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنا درست ہے۔

دلیل:

حنابلہ وغیرہ کی دلیل عبارت ترجمہ والی حدیث

(۲) أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و سلم مسح علی الْخُفَّيْنِ و العمامة.

(الکتاب المصنف. ۱/۲۳ ا بیروت)

جواب:

مسح علی العمامہ کی احادیث حدتواتر کونہیں پہنچ سکی بلکہ اخبار احاد ہیں اس لیے ان سے کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں ہے۔

(۲) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مسح علی العمامہ کی روایات منسوخ ہوچکی ہیں۔

(۳) یہ حدیث دراصل مختصر ہے، اصل مضمون یہ ہے کہ آپؐ نے ''ناصیہ'' یعنی سر کے اگلے چوتھائی حصہ اور عمامہ کا مسح فرمایا: جیسا کہ امام ترمذی نے نقل کیا ہے، اس میں سر کا مسح مقصود تھا اور عمامہ درست کرنے کی غرض سے جو آپؐ نے تھاما، تو راوی نے یوں محسوس کیا کہ آپؐ نے عمامہ پر مسح فرمایا ہے۔ (قاموس الفقہ ۴/ ۴۱۳)

احناف، مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ. (سورہ مائدہ۔ آیت ۵)۔

بالکل صریح دلیل ہے کہ اپنے سروں کا مسح کرو اور عمامہ سر نہیں ہے۔

(۲) أن جابر بن عبدالله الأنصاري سُئِلَ عنِ المَسْحِ عَلى الْعَمَامَةِ، فقال: لَا، حتى يَمْسَحَ الشَّعْرَ بِالْمَاءِ. (موطأ امام مالک)

یہ روایت بھی مسح علی العمامہ کے عدم جواز کے سلسلے میں بالکل واضح ہے۔

(۳) عن ابن عمر أنه كان إذا مَسَحَ رَأْسَه، رَفَعَ الْقَلَنْسُوَةَ، وَمَسَحَ مَقْدَمَ رَأْسِه. دار قطني.

(۴) عن عبدِ الله بن زيد بن عاصم. في صفة الوضوء. ومسح برأسه فأقبَلَ بيديه وَأَدْبَرَ، أخرجه الشيخان۔ (المعتصر ص: ۱۶)

(۵) عن أنس بن مالک۔ قال: رأيتُ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم. يتوضأ وعليه عِمَامَةٌ قطرية، فأدخل يَدَه مِنْ تَحْتِ العمامةِ فمسح مقدمَ رأسِه ولم ينقض العمامة. (ابو داؤد. ص: ۱۹)

یعنی آپ ؐ نے عمامہ کے نیچے اپنے ہاتھ کو داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) چوتھائی سر کا مسح فرض ہے (۲) مسح علی العمامہ درست نہیں، کیونکہ اگر درست ہوتا تو عمامہ کے اندر ہاتھ داخل کر کے سر کا مسح نہ کرتے بلکہ عمامہ کے اوپر ہی سے مسح کر لیتے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

وضاحت:

عمامہ باندھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات میں تھا، غالباً زیادہ تر سیاہ عمامہ استعمال فرمایا کرتے تھے، فتح مکہ کے موقع سے جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس وقت بھی سیاہ عمامہ سر پر تھا، ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید اور زرد رنگ کے عمامے بھی استعمال کئے ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر سفر میں سفید اور حضر میں سیاہ عمامہ باندھا کرتے، دونوں مونڈھوں کے درمیان عمامہ کا چھوڑ رکھتے، حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کو ایک بار عمامہ باندھا تو اس کا شملہ چار انگشت تھا، عبداللہ ابن عباس ؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عمامہ باندھا کرو، اس سے حلم و بردباری میں اضافہ ہوتا ہے، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کے دن نماز میں عمامہ استعمال کرنے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں، یہ بھی معمول تھا کہ عمامہ نہ ہوتا تو کوئی کپڑا ہی سر میں باندھ لیتے۔ (قاموس الفقہ ۴ / ۴۱۲)

مسئلہ فاقد الطہورین

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسَيْدَبْنَ حُضَيْرٍ وَنَاساً يَطْلُبُونَ قِلَادَةً كَانَتْ لِعَائِشَةَ نَسِيَتْهَا فِي منزِلٍ نَزَلَتْهُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، وَلَيْسُوا عَلٰى وُضُوْءٍ وَلَمْ يَجِدُوْا مَاءً فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوْءٍ ،فَذَكَرُوْا ذَالِكَ

لِرَسولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وجلَّ آيةَ التيمّمِ، قَالَ اُسَيْدُ بنُ حُضَيْرٍ جَزَاكِ اللهُ خيراً فَوَاللهِ مَانَزَلَ بكِ أَمْرٌ تكرَهِينَهُ إلاَّ جَعَلَ اللهُ لكِ و للمسلمين فِيْهِ خَيراً۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسید بن حضیرؓ اور کچھ لوگوں کو ہار تلاش کرنے کے واسطے بھیجا، وہ ہار حضرت عائشہؓ کا تھا، جوان کے گلے سے گرا تھا، اس مقام پر جہاں انہوں نے قیام کیا تھا، اسی دوران نماز کا وقت آگیا، اور لوگوں کا وضو نہیں تھا اور نہ ان کو پانی ملا، تو لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی، پھر اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، تو اللہ تعالی نے آیت تیمم نازل فرمائی، حضرت اسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزاء خیر عطا فرماوے، جب کبھی آپ پر ایسا سانحہ پیش آیا، جو آپ کو گراں ہوا، تو اللہ تعالی اس میں تمہارے اور مسلمانوں کے لیے بھلائی اور آسانی کر دیتے ہیں۔

وضاحت:

اس حدیث شریف میں آیت تیمم کے نزول کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے، آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ مکرمہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں راستہ میں ایک جگہ (بیداء یا ذات الجیش میں) قافلہ نے پڑاؤ کیا، تو وہاں حضرت عائشہؓ کا ایک ہار (جو انہوں نے اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے عاریۃ لے کر پہن رکھا تھا) گم ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو اس کے ڈھونڈنے کے لیے روانہ کیا، تلاش میں دیر لگ گئی تا آں کہ صبح صادق ہو گئی، اور یہ جگہ ایسی تھی جہاں نہ تو پانی تھا اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی کا ذخیرہ تھا، اب نماز میں دیر ہونے لگی اور لوگ جا جا کر حضرت ابوبکر سے کہنے لگے کہ: دیکھیے! آپ کی بیٹی نے لوگوں کو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روک رکھا ہے'' یہ باتیں سن کر

حضرت ابوبکرؓ کو بھی غصہ آیا اور آکر حضرت عائشہؓ کی کوکھ میں انگلی چبھونے لگے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کی ران پر سر رکھ کر آرام فرمارہے تھے، اس بنا پر حضرت ابوبکر کے ہاتھ لگانے کے باوجود حضرت عائشہؓ نے ذرہ برابر حرکت نہیں کی؛ تا آں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور اللہ تعالی نے آیت تیمم (فَتَیَمَّمُوا صَعِیدًا طَیِّبًا: النساء:۴۳) نازل فرمائی، اس موقع پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے قسم بخدا! جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ناگوار بات پیش آئی تو انجام کار اس میں اللہ تعالی نے آپ کے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے خیر کا پہلو اجاگر فرمایا'' اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ کلمات کہے کہ: اے ابوبکر کے خاندان والوں! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (کتاب المسائل۔ ۱/ ۱۷۲)

مسئلہ فاقد الطہورین:

امام مالکؒ:

فرماتے ہیں کہ ایسا شخص نہ نماز پڑھے گا اور نہ ہی قضا کرے گا؛ لا یصلی و لا یقضی۔

امام اعظمؒ

فرماتے ہیں کہ ایسا شخص نماز نہ پڑھے، بلکہ بعد میں قضا کرے: لا یصلی بل یقضي۔

امام احمدؒ:

فرماتے ہیں کہ ایسا شخص بغیر طہارت کے نماز پڑھے، اور بعد میں اس کے اوپر قضا واجب نہیں: یصلی و لا یقضی۔

دلیل:

(۱) عبارت ترجمہ والی حدیث۔

(۲) إذا أمَرْتُكُمْ بأَمرٍ فَافْعَلُوا منه ما استَطَعْتُمْ.

ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اپنی طاقت کے بقدر حکم خداوندی بجالائیں، اور یہ شخص اتنے پر ہی قادر ہے اس سے زائد پر نہیں، اس لیے اسکی نماز اسی حالت میں معتبر ہوجائیگی اور جب نماز درست ہوگئی، تو اب اس کی قضا اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امام شافعیؒ:

کے چار اقوال ہیں، راجح قول: یصلي و یقضي کا ہے۔

دلیل:

فَإذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيءٍ فَخُذُوْا مِنْهُ ما استَطَعْتُمْ الخ (ابن ماجه ص: ۲)

صاحبینؒ:

فرماتے ہیں کہ ایسا شخص تشبہ بالمصلین کرے، لیکن قراءت وغیرہ کچھ نہ کرے اور حصول طہارت کے بعد نماز کی قضا کرے، امام اعظمؒ کا بھی اسی قول کی طرف رجوع ثابت ہے، اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے،

لا يصلي بل يتشتبه با لمصلين فيقوم ويركع، ويسجد من غير أن ينوي أو يقرأ، وصح إليه رجوع أبي حنيفة، وبه يفتى (المعارف ـ ۱۳/۱)

دلیل:

عن عبدالرحمن بن مسلمة عن عمه: أن أسلم أتتِ النبي ﷺ فقال: صُمْتُمْ يَوْمَكُمْ هٰذا قالوا: لَا، قال النبي ﷺ فأتموا بقية يومكم

واقضوه. (ابو داؤد ص: ۳۳۲) فهذا تشبه بالصائمين فيقاس عليه الصلاة۔

(۲) و يمضي فاسده و جوباً كحائضة فيفعل جميع ما يفعله في الحج الصحيح ، ويجتنب ما يجتنب فيه، وان رتكب محظوراً فعليه ما على الصحيح الخ۔ (غنية الناسک۔ ۲۶۸)

جس شخص کا حج فاسد ہو جائے تو اسپر ضروری ہے کہ حج کے مابقیہ ارکان اسی طرح ادا کرے جس طرح حج صحیح میں ادا کئے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی کا حج فاسد ہو جائے تو اسکو حکم دیا جائیگا، کہ وہ باقی مناسک حج دوسرے حجاج کی طرح ادا کرے جو تشبہ بالحجاج ہے، اس پر فاقد الطہورین والے مسئلہ کو قیاس کر لیجیے۔

نوٹ:

مولانا محمد اسعد اللہؒ رام پوری نے مسئلہ فاقد الطہورین کو اس شعر میں جمع کر دیا ہے۔

مالک بھی شافعی بھی ہیں احمد بھی اور ہم: لا لا، نعم نعم، و نعم لا، و لا نعم۔ و فیہ لف ونشر مرتب (الفیض السمائی ص: ۱۵۶)

مسواک کا تعلق وضو سے ہے یا نماز سے

امام احمدؒ و شافعیؒ:

کے نزدیک مسواک سنت وضو اور سنت صلوۃ دونوں ہے۔

دلائل:

(۱) عَنْ أبي هريرة قال: لو لا أنْ أشق على أمتى لأ مَرْ تُهُمْ بِتَا خِيرِ العشاءِ وبِالسِّوَاکِ عندَ كلِ صلوٰةٍ. (ابو داؤد)

(۲) قال: أبو سلمة : فرأيتُ زيداً يَجْلِسُ في المسجد ،وإن السِّواکَ مِنْ أذنه موضعَ القلم من أُذْنِ الكاتب فكلما قام إلى الصلوة

اِستاک. ابو داؤد۔

جواب:

یہاں مضاف محذوف ہے یعنی "عند وضوء کل صلاۃ" ہے اصل میں، دلیل یہ ہے کہ یہی روایت مستدرک (۱/۱۴۶) میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "لَوْ لَاأَنْ أَشُقَّ عَلٰی أُمَّتِیْ لفرضتُ علیھم السواک مع الوضو" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک سنت وضو ہے نہ کہ سنت صلاۃ۔

امام مالکؒ واعظمؒ:

کے نزدیک صرف وضو میں سنت ہے اور مستحب ہے نماز کے لیے کھڑے ہو تے وقت۔

دلائل:

عن أبی ھریرۃ عن النبی ﷺ لو لا أن أشق علی أمتی لأ مر تھم با لسواک عند کل وضوءِ (بخاری. ۱/۲۵۹)

(۲) لو لا أن أَشُقَّ علی أمتی لأمر تُھم با لسِواک مع الوُضُوْءِ عند کل صلوۃ. (رواہ ابن حبان)

(۳) لو لا أشق علی أمتی لَأَمَرتُھُمْ بِالسِوَاکِ عند کل طھو. (مرقات. ۲/۲)

عورتوں کا مساجد میں جانا

عَنْ حَفْصَۃَ، قَالَتْ کَانَتْ أُمُّ عطیَۃَ لاَ تذکر رسول ﷺ إلاَ قَالَتْ بَاباً فَقلتُ أسمعت رسول اللہ ﷺ یقول: کذا و کذا قالت نَعَمْ بَاباً قَالَ لَتخرج العَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الخدو رِ والحیض فَیَشْھَدْ ن الخیرَ و دَعوۃَ الملسمینَ وتَعتَزِلُ الحِیضُ المصَلّٰی۔

ترجمہ:

حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ام عطیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہیں کرتھیں، مگر بابا (میرے باپ آپؐ پر قربان ہوں) کہتی تھیں، تو میں نے ان سے معلوم کیا کہ کیا تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا فرماتے ہوئے سنا ہے، تو ام عطیہؓ نے جواب دیا کہ جی ہاں میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ جوان لڑکیاں اور پردہ نشین عوتیں اور حیض والی عورتیں نکلیں، خیر کی مجلسوں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں حاضر ہوں، اور حیض والی عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں۔

کیا عورتیں عیدگاہ اور مساجد میں جاسکتی ہیں؟

ائمہ ثلاثہ:

ان کے نزدیک بوڑھی عورت کے لیے مساجد اور عیدگاہ میں حاضری کی اجازت ہے اور جوان کے لیے حاضری کی اجازت نہیں۔

احناف:

کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے عورت کا پنج وقتہ نماز میں حاضر ہونا مکروہ ہے یہی حکم جمعہ اور عیدین کا ہے۔ عورت بوڑھی ہو یا جوان البتہ بہت زیادہ بوڑھی عورت اس سے مستثنی ہے۔ واللہ اعلم۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

ان کی دلیل سوال میں مذکور حدیث ہے

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا تَمنَعُوا نِساءَ کُمُ المَساجِدَ، و بُیُوتُهُنَّ خَیرٌ لَهُنَّ (ابو داؤد ۵۱۴۸)

(۳) وأما النساء فجماعتهن في البيوت أفضل، فان ارادت المرأة حضور المسجد مع الرجال، فإن كا نت شابة أو كبيرة يشتهى مثلها، كره لها الحضور، وإن كانت عجوزاً لا تشتهى لم يكره۔

(المهذب في الفقه الشافعي. ۱/۱۳۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان نزدیک بھی بہت بوڑھی عورت کے لیے اجازت ہے ہر بوڑھی عورت کے لیے نہیں۔

احناف کے دلائل:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

(۱) لَوْ أدْرَكَ رَسولُ اللهِ ﷺ مَا أحْدَثَ النساءُ لَمَنَعَهُنَّ المساجِدَ كَمَا مُنِعَهُ نِساءُ بَنِي إسرائيلَ، بخاری (مؤطا امام مالک ص. ۱۱۵) بیروت.

(۲) أن النبی ﷺ نهی النساء عن الخروج إلا عجوزاً في منقليها (بیهقی ۵۱۴۷)

(۳) عن إبراهيم قال: يكره خروج النساء في العيد

(۴) عن ابن عمر أنه كان لا يُخرجُ نساءه في ا‍ ‍ يدين.

(۱ كتاب المصنف. ۴/۲)

(۵) عن أبيه عن جد ته أ م حميد قالت : قلت :يا رسول الله ﷺ: يمنعنا أزواجنا أن نصليى معك ونحب الصلاة معك فقال رسول الله ﷺ صلاتكنَّ في بُيُوتِكُنَّ أفضلُ من صلاتكنَّ في حُجَرِكُنَّ و صلاتكنَّ في حُجَرِكُنَّ أفضلُ من صَلاَتِكنَّ في الجَمَاعَةِ۔

(الكتاب المصنف ۲/۱۰۹)

(۶) قال رسول الله ﷺ خَيْرُ مساجِدِ النساءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنَّ (رواه احمد)

یعنی عورتوں کی سب سے بہترین مسجد سب سے زیادہ بند اور تاریک کوٹھری ہے۔

(۷) و کان ابن عمر یقوم یحصب النساء یوم الجمعة یخرجھنّ من المسجد

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے روز کھڑے ہوکر عورتوں کو کنکریاں مارکر مسجد سے نکال دیتے۔

(عینی شرح بخاری۔ ۳/۲۲۸)

ابن عمر کی طرح ابن مسعودؓ بھی عورتوں کو جمعہ کے دن مسجد سے نکال دیتے۔

(۸) أنه عبداللہ یخرج النساء مِن المسجد یوم الجمعة و یقول أخرجن إلی بیوتکن خیر لکنَ (الترغیب والترھیب۔ ۱/۱۹۰)

اور یہ سب صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کی وہ بدعات ومنکرات، جو عورتوں نے ایجاد کی ہیں اگر حضرت عائشہؓ دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار کرتیں منجملہ ان منکرات کے یہ ہے کہ آج کل کی عورتیں لباس فاخرہ پہن کر اور خوشبو لگا کر مٹکتی ہوئی مردوں کو اپنی طرف مائل کرتیں ہیں، نیز مردوں کے شانہ بشانہ کھلے منھ بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں آخر میں لکھتے ہیں حضرت عائشہؓ کا ارشاد (جو احناف کی پہلی دلیل ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے جب کہ اس زمانہ میں عورتوں کی آزادی اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی ومنکرات کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں تھی، اندازہ لگایئے اگر حضرت عائشہؓ اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی وفیشن پرستی دیکھتیں تو کیا حکم لگاتیں (عینی ۳/۲۳۰)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

(۱) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لیے نکلنے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا تاکہ دشمنوں کی نظر میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر ہو، اور یہ علت اب باقی نہیں رہی۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے بھی اجازت ان حالات میں تھی، جبکہ امن کا دور تھا، اب نہیں ہے (درس ترمذی)

نیز وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے نئے احکام آتے تھے نئے مسلمان تھے سیکھنے کی ضرورت تھی، سب سے بڑھ کر آپؐ کی اقتداء اور زیارت تھی، اس لیے خواتین کو اجازت تھی۔

کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

جواز اقتداء میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے اور بقیہ احکام میں مسجد کے حکم میں نہیں، بلکہ فناء مسجد اور مدرسہ کے حکم میں ہے، جو کام فناء مسجد و مدرسہ میں جائز ہیں، وہ عیدگاہ میں بھی جائز ہیں۔ (مسائل مسجد ص:۲۵۹)

حائضہ کے عیدگاہ سے الگ رہنے کی وجہ

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس کی دو وجہ ہیں: (۱) حنفیہ کے نزدیک تو اس وجہ سے کہ وہاں جا کر عیدگاہ کی صفیں خراب کرے گی اور دوسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے اور مسجد کے اندر ناپاکی کی حالت میں جانا ممنوع ہے (مصباح القاری ص:۲۲۱)

ولا تدخل المسجد و کذا الجنب لقوله علیه الصلاة والسلام (فإنی لَا أحل المسجد لحائض ولا جنب (نصب الرایه۔ ۱/۲۵۴)

دم حیض

عَنْ فَاطمة بنتِ أبي حُبَيْشٍ أنَّها كانت تُسْتَحَاضُ فقال: لَهَا رسولُ الله صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا كَانَ دَمُ حَيضٍ، فَإِنَّهُ دَمٌ أسود يُعْرَفُ فأَمْسِكِي عَنِ الصَّلوةِ، وإذا كَانَ اٰخَرَ فَتَوَضَّئِي فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ.

ترجمہ:

حضرت فاطمہؓ بنت ابی حبیش سے روایت ہے کہ وہ استحاضہ میں مبتلا ہوئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے، جو پہچان لیا جاتا ہے، پس (ایسا خون آئے تو) نماز سے رک جاؤ، اور جب اسکے علاوہ آئے تو وضو کرو (اور نماز ادا کرو) اس لیے کہ وہ رگ کا خون ہوتا ہے۔

دم حیض کی اقسام

واضح رہے کہ خون چھ طرح کا ہوتا ہے سیاہ، سرخ، زرد، خاکی، ہرا، مٹیالہ

إعلم أن ألوان الدماء ستة: السَّوَادُ والحُمْرَةُ، وَالصَّفْرَةُ وَالكدرةُ، والخضرة، والتربية.... وكل هذه الألوان حيض في أيام الحيض.

(البحر الرائق ۱/۱۹۲)

دم حیض میں رنگ کا اعتبار ہے یا نہیں؟

احناف:

کے نزدیک دم حیض میں رنگ کا اعتبار نہیں، بلکہ ایام کا اعتبار ہے حیض کے شروع اور ختم ہونے میں۔

ائمہ ثلاثہ:

دم حیض میں رنگوں کا اعتبار ہے۔

ان کی دلیل:

عبارت ترجمہ والی حدیث شریف ہے۔ وجہ استدلال اس طرح ہے کہ حدیث میں ہے "فَاِنَّه دَمٌ أسود يُعرَف" یعنی حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے، جو کہ پہچان لیا جاتا ہے۔ پس اگر ایسا ہو تو نماز چھوڑ دو، یعنی کالا خون حیض کا ہوتا ہے، جب وہ آئے تو سمجھ لینا کہ حیض آرہا ہے، اور پھر اس کے ختم ہونے تک نماز مت پڑھو بہر حال: اس حدیث میں ہے کہ حیض کا مدار رنگ پر ہے نہ کہ ایام پر۔

جواب:

یہ حدیث مضطرب، مرسل، منقطع، منکر، اور معلول، ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں؛ (الفیض السمائی ص: ۱۳۰)

نیز یہ کوئی کلی صورت نہیں ہے کہ ہر عورت کو کالا اور سرخ ہی خون آئے بلکہ الوانِ حیض مختلف ہو سکتے ہیں عوتوں کے مزاج اور شہروں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس لیے الوان کا اعتبار درست نہیں۔

احناف کے دلائل:

كُنَّ نساءُ يبعثنَ إلى عائشة با لدر جة فيها الكُرسف فيه الصفرة، فتقول : لا تَعجَلنَ حتى ترِ ينَ القَصَّةَ البيضاءَ تُرِيْدُ بذ لك الطُهر من الحيضة. (بخاری ۱/۴۶)

عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس ڈبیہ میں کُرسف رکھ کر بھیجا کرتی تھیں تا کہ ام المؤمنین اس کو دیکھ کر بتادیں کہ حیض ختم ہوگیا یا نہیں حضرت عائشہؓ ان عورتوں سے

فرماتی کہ تم جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ خالص سفیدی نہ دیکھ لو، جو کہ حیض کے اختتام کی علامت ہے اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رنگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ سارے رنگ حیض ہو سکتے سوائے سفیدی کے وما سوی البیاض الخالص، حیض۔ (کنز الداقائق)

حضرت فاطمہؓ معتادہ تھیں یا ممیزہ؟

امام بیہقیؒ اور علماء کا ایک طبقہ آپ کو ممیزہ قرار دیتا ہے، اس کے برخلاف دوسرا طبقہ آپ کو معتادہ قرار دیتا ہے یہی احناف کا مسلک ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت فاطمہؓ کو حکم دیا تھا، وہ معتادہ کا حکم ہے نا کہ ممیزہ کا آپؐ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے ایام حیض کی تعداد کے بقدر نماز چھوڑ دیں، اور جب ایام حیض کی تعداد پوری ہو جائے، تو غسل کر کے خواہ خون بند ہو یا نہ ہو نماز شروع کر دیں۔

مستحاضہ عورتوں کی اقسام

حنفیہ:

کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں مبتدأۃ، معتادہ، اور متحیرہ، اس کو ضالہ، مضلہ، اور ناسیہ بھی کہتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ:

کے نزدیک مستحاضہ کی چار قسمیں ہیں۔ تین مذکورہ اور چوتھی ممیزہ۔

تطہیر ارض

عن أنسٍ أنَّ أعرَا بِیاً بَالَ فِی المسجدِ فقام إلیهِ بَعْضُ القوم، فقال

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: دَعُوهُ وَلَا تُزْرِمُوهُ، فَلَمَّا فَرَغَ دَعَا بِدَلْوٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ۔

فرمایا کہ ایک دیہاتی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا، لوگ ان کی جانب دوڑے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، اوران کا پیشاب بندمت کرو، پھر جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک ڈول منگایا اور پیشاب کہ جگہ بہادیا۔

تطهير الأرض من النجاسة

جمہور:

کے نزدیک صرف پانی بہانے سے زمین پاک ہوتی ہے۔

دلیل:

ان کی دلیل عبات ترجمہ والی حدیث ہے۔

جواب:

یہ کہنا کہ صرف پانی بہانے سے زمین پاک ہوتی ہے، درست نہیں، اس لیے کہ احادیث میں دوسرے طریقے بھی مذکور ہیں، مثلاً سوکھنا، کھودنا وغیرہ۔

احناف:

فرماتے ہیں کہ تطہیر ارض کے تین طریقے ہیں، اور تینوں کا ثبوت احادیث سے ہے۔

(۱) پانی بہانے سے: ان کی دلیل عبارت ترجمہ والی حدیث ہے۔

(۲) سوکھنے سے: یعنی زمین اور اس سے ملحق چیزیں مثلاً گھاس پھوس، اور درخت وغیرہ سوکھنے سے پاک ہوجاتے ہیں۔

(۳) کھودنے سے؛ یعنی اگر زمین کا کھودنا ممکن ہو تو نجاست سے متأثر جگہ کو کھود کر علیحدہ کر دیا جائے۔

احناف کے دلائل

والدليل على طهارت الأرض بالجفاف:

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: كنت أبيتُ فى المسجد في عهد رسول صلى الله عليه وآله وسلم، وكنت شاباً عزباً، وكانت الكلاب تبول وتقبل و تد بر في المسجد، فلم يكونوا ايرشون شيأً من ذلک۔

(۲) عن أبي جعفرٍ قال: زكاةُ الأَرضِ يبْسُهَا.

(۳) عن أبي قلابة قال: إذا جفَتِ الأرضُ فقد ذَكَتْ.

(۴) عن أبن الحنفية قال: إذا جفت الأرض فقد زكت.

(الكتاب المصنف۔ ۱/ ۵۹)

(۵) قَامَ أعرابِيٌ إلى زَاوِيَةٍمِنْ ذَوَايَا المسجدِ فا نكشَفَ فبال فيها، فقال النبى صلى الله عليه وآله وسلم خذُوا ما بال عليه من التُرَاب فألقُوْهُ وأهرِقُوا على مكانِهِ ماءً. (دار قطنى ۱/ ۱۷٦) بيروت

یعنی جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے، اس جگہ کی مٹی نکال کر پھینک دو، اور اس جگہ پانی بہادو۔ اس حدیث سے کھودنے کا ثبوت ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

مکتبۂ صداقت

قصبہ ڈھکہ تحصیل حسن پور ضلع امروہہ

Ph:7579876025

Mubarak Graphics:9812377864